اِسلام میں پولیس اور احتِساب کا نظام

الذین ان مکنٰھم
فی الارض اقاموا الصلوٰة
واتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف
ونھوا عن المنکر ولله عاقبة
الامور

تألیف

ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نِسبت روڈ ○ لاہور

سلسلہ مطبوعات مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری — ۳۰

اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام



تألیف

ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

نسبت روڈ ○ لاہور

نام کتاب: ——— اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام

مصنف: ——— ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

باراول: ——— اپریل ۱۹۸۸ء

تعداد: ——— گیارہ سو

ناشر: ——— مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

طابع: ——— ریڈنگ پرنٹنگ پریس ۸۱ مال روڈ لاہور

زیر اہتمام حافظ غلام حسین ——— ریسرچ آفیسر ریسرچ سیل دیال سنگھ لائبریری

قیمت: ——— ۴۵

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تقدیم

مولانا ساجد الرحمان صدیقی کاندھلوی کی ذات علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے جب سے ملک میں نظام شریعت کے نفاذ کا چرچا ہوا ہے، انہوں نے متعدد اہم دینی اور فقہی کتابوں کو عربی زبان سے اردو میں منتقل کر کے نہایت مفید خدمت انجام دی ہے۔ اس سے شریعت کا تفصیلی مطالعہ کرنے والوں کو کس قدر فائدہ پہنچا ہوگا اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں رجم کے مسئلے میں جب بعض لوگوں نے خواہ مخواہ کی اختلافی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس موقع پر بھی مولانا موصوف نے ایک نہایت مفید کتاب تالیف کر کے مخالفین کا رد کیا تھا۔ لیکن ایک بات جس سے اکثر لوگ ناواقف ہوں گے اس موقع پر ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ ساجد الرحمٰن صدیقی صاحب مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) کے بانی عملے میں سے ہیں۔ ریسرچ سیل کا قیام سن ۱۹۷۳ء میں ہوا تھا۔ اور اس میں بطور ریسرچ اسسٹنٹ کے سب سے پہلا تقرر ساجد صاحب ہی کا ہوا تھا۔ ان کے کچھ دنوں بعد میں بطور ریسرچ ایڈوائزر اس مرکز میں آیا۔ اور پھر ہم دونوں نے مل کر فہرست مخطوطات دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

کی تیاری سے کام کا آغاز کیا۔ کافی دنوں تک مجھے ساجد الرحمٰن صدیقی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اور میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں، کہ ماشاءاللہ وہ نہایت باصلاحیت، وسیع المطالعہ، حلیم الطبع، اور ذوق تحقیق سے آراستہ شخصیت کے مالک ہیں۔ "اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام" نامی یہ کتاب میں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتا ہوں ۔ ۱۹۷۵ء کے آغاز میں نظام احتساب کے موضوع پر میں نے ایک طویل مقالہ لکھا تھا۔ جو پہلے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماہنامہ "المعارف" میں بالاقساط شائع ہوا تھا پھر مرکز تحقیق ریسرچ سیل، کی طرف سے کتابی شکل میں شائع ہوا تھا۔ تاہم اس بات کی شدید ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب شائع ہو۔ تاکہ اگر کبھی حکومت وقت کو اسلام کے نظام احتساب کو اس کی اصلی شکل میں شائع کرنے کی توفیق ہو تو منضبط صورت میں اس کے متعلق تمام معلومات موجود ہوں۔ مولانا موصوف نے زیر نظر تالیف میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اور خوبی یہ ہے کہ احتساب سے متعلق قضا اور پولیس کے نظام کے بارے میں بھی ابتدائی اور ضروری معلومات پیش کر دی ہے۔

بنیادی طور پر مؤلف موصوف ریسرچ کے آدمی ہیں، اس لیے ریسرچ کے جدید تقاضوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ جب آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو شائد آپ کو کوئی ایسی بات نہیں ملے گی جو غیر مستند طور سے بیان کی گئی ہو۔ پولیس سے متعلق ضروری اور جدید معلومات بھی اس کتاب موجود ہیں۔ ساتھ ہی دور رسالت اور خلافت راشدہ میں جب اسلامی حکومت میں اس نظام کے قیام

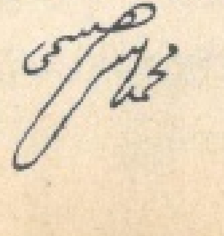
کی بنیادیں رکھی جارہی تھیں، اس کا بھی ایک نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا نیز اس نظام کے عہد بہ عہد ارتقاء کے متعلق معلومات اس کتاب میں آپ کو ملیں گی قضا شرطہ اور احتساب سے تعلق رکھنے والے اہم اسلامی اصول بھی اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان سب کا مقصود یہ ہے کہ ہم اپنے دور میں اور اپنے اس اسلامی ملک میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اسلام ہی کے نام پر باقی رہ سکتا ہے حکومت کے تمام شعبوں میں اسلام کو نافذ کریں۔ کیونکہ یہی واحد راہ نجات ہے۔ ہمیں اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہ کسی دریوزہ گری کی ضرورت ہے نہ غیروں کی نقالی کی۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ وسیع ترین عظیم ترین اور جامع ترین شریعت ہے۔ اس کے اصول کبھی پرانے نہ ہوں گے۔ البتہ عصری مقتضیات کے تحت علماء و ماہرین اس کی فروعات میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ مرکز تحقیق ریسرچ سیل اپنے قیام کے اوّل روز سے نظام شریعت کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں جو بھی اشاعتی کام کر رہا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف اتمام حجت ہے۔ تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے سامنے نظام شریعت قابل فہم صورت میں موجود ہی نہ تھا ورنہ ہم شریعت ضرور نافذ کر دیتے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عزیز مکرم مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی کی اس عظیم دینی خدمت کو قبول فرمائے اور صحت و توانائی کے ساتھ ان کی حیات دراز فرمائے تاکہ وہ اسی طرح دین قویم کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ آمین۔

سید محمد متین ہاشمی ڈائریکٹر مرکز تحقیق ریسرچ سیل، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

لاہور مورخہ ۲۶ / دسمبر ۱۹۸۷ء



ابتدائی کلمات

اسلامی شریعت نے انسانی زندگی کے غیر متغیر پہلوؤں میں ناقابل تغیر احکام جاری کئے ہیں، جب کہ نو بہ نو بدلنے والے پہلوؤں میں اصولی ہدایات دے کر اس قدر وسعت اور گنجائش چھوڑ دی ہے کہ انسان ہر دور اور ہر زمانے میں ان اصولی ہدایات اور تمدنی مدوجزر کو ان سے ہم آہنگ بناتا رہے اور اصول اجتہاد، تغیرات زمانہ کی رعایت، اور مصالح عامہ کے پیش نظر نئے اداروں اور جدید امور کو اختیار کرنے کی اس حد تک اجازت دی گئی جس حد تک وہ قرآن و سنت کے بیان کردہ اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔

اسلام ایک روحانی تہذیب کا علمبردار ہے۔ روحانی تہذیب ہمیشہ اصول اور نظریات کا تحفظ کرتی ہے اور تمدنی مظاہر اور تہذیبی ہیئتوں اور سماجی اداروں کے تحفظ کے لیے کوشاں نہیں ہوتی۔ جب کہ مادی اور جاہلی تہذیبیں ہمیشہ مظاہر تہذیب، تمدنی صورتوں اور تنظیمی اداروں کے لیے مستعد رہتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاہلی تہذیب ایسے اصول و نظریات نہیں رکھتی جو اس کی بقا کی ضمانت دے سکیں۔ اس لیے وہ اپنی بقا کی خاطر اس کی محتاج ہوتی ہے کہ اپنے قائم کردہ اداروں کی حفاظت کرے، اپنے تہذیبی مظاہر کو محفوظ رکھے اور اپنی تمدنی ہیئت کو پامال نہ ہونے دے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام مادی تہذیبیں اپنے مادہ پرستانہ نظریات میں باہم ایک ہی ہوتی ہیں اور اصول و نظریات کی

بنا پر ان میں کوئی واضح فرق و امتیاز پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے مختلف جاہلی تہذیبیں اس فرق و امتیاز کو نمایاں کرنے کے لیے اپنے اپنے اداروں کا تحفظ کرتی ہیں اور ان کے نمایاں خطوط کو اجاگر کرتی ہیں۔ اپنے تہذیبی مظاہر کو فروغ دیتی ہیں اور انہیں پروپیگنڈہ کے ذریعے بہترین اور قدیم ترین کلچر بتاتی ہیں، اور ہر حاضر تہذیب کے مظاہر سے رشتہ استوار کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ اس کی استقامت اور دوام ظاہر ہو سکے۔ قومی خصائص اور تہذیبی امتیاز قائم کرنے کی دھن میں اقوام عالم اس قدر آگے نکل چکی ہیں کہ اب وہ اپنے ملی تعارف کے لیے قومی پرندہ اور قومی پھول بھی تجویز کرنے لگی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اداروں کے قیام و بقاء پر انحصار نہیں کیا ہے، اور اس امر کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے کہ کسی مخصوص تمدنی ہیئت کو محفوظ رکھا جائے اور کسی خاص تہذیبی مظہر کو اجاگر کیا جائے۔ اسلام نے "شوریٰ" کا حکم دیا لیکن شوریٰ کی ہیئت کا تعین لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے نو بہ نو مصالح پر چھوڑ دیا۔ اسلام نے قضاء اور عدل و دادرسی کے صدہا زریں اصول عطا کیے لیکن دادرسی کا کوئی مخصوص نہج لازم نہیں کیا کہ عدلیہ کا ادارہ کس طرح تشکیل پائے۔ عدلیہ کے ذیلی ادارے کون کون سے ہوں؟ پولیس عدلیہ کے ماتحت ہو یا انتظامیہ کے؟ ایک قاضی عدل و انصاف کرے یا ایک سے زائد قاضی ایک دعویٰ کی سماعت کریں پولیس ایک ہمہ گیر اور محیط ادارہ ہو یا ایک چھوٹا اور ذیلی ادارہ۔

اسلامی تاریخ میں مسلمان مفکرین اور اہل قلم اس حقیقت سے آشنا رہے ہیں کہ اسلام اداروں کی ہیئت پر زور نہیں دیتا اور تہذیبی مظہر کی حفاظت کی سعی

نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی پر شرح وبسط سے اس قدر کتابیں تصنیف ہوئیں کہ بڑی بڑی لائبریریاں ان کے احاطے سے قاصر ہیں۔ لیکن خود مختلف اسلامی حکومتوں میں موجود "عدلیہ" کے نظام پر برائے نام ہی لکھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عدالتوں کے فیصلوں کو محفوظ کرنے کی طرح نہیں ڈالی گئی کہ اس میں بھی ایک ادارے کے تحفظ کی سعی در آتی ہے۔ نیز یہ کہ اسلامی عدالتوں کا قاضی اپنے فیصلے میں قرآن وسنت کی پیروی کا پابند ہے اور قرآن وسنت کی تشریحات مسالک اربعہ کے فقہ کی صورت میں اس کے سامنے موجود ہیں۔ اس لیے اس کا جو بھی فیصلہ ہوگا اس کی نظیر خود اس عظیم اور وسیع فقہی لٹریچر میں موجود ہوگی۔ دریں صورت عدالتی نظائر کو محفوظ کرنے کا عمل نہ ضروری رہا اور نہ کسی خاص افادیت کا حامل۔

اداروں کو اس طرح وسعت دینے اور اس کو تقدس کا درجہ دے دینے سے خود ادارے ہی مقصود بن جاتے ہیں اور وہ مقاصد پیش نظر نہیں رہتے جن کے لیے وہ ادارے وجود میں آتے ہیں۔

اسلامی نظام حکومت میں تمام امور قرآن وسنت کی ہدایات کی روشنی میں انجام دیے جاتے ہیں اور پورے نظام کی اساس "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" پر استوار ہوتی ہے۔ امت مسلمہ کا امتیازی وصف یہ بیان گیا گیا ہے کہ:

"یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر"

ہر مسلمان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہے اور اس فرض کی ادائیگی اس پر اس کی قدرت اور اختیار کے بقدر لازم ہوتی ہے جس قدر اختیار واقتدار کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا۔ اس فرض کی اہمیت اور اس کی ادائیگی کا لزوم بڑھتا

جائے گا۔ غرض اسلامی ریاست میں تمام اختیارات واقتدار کا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وجمیع الولایات الاسلامیۃ انما مقصودھا الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، سواء ذالک فی ولایۃ الحرب الکبری، مثل نیابۃ السلطنۃ والصغری مثل ولایۃ الشرطۃ وولایۃ الحکم او ولایۃ المال و ولایۃ الدواوین المالیۃ والحسبۃ" (۱)

(اسلامی حکومت میں تمام اختیارات کا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، خواہ یہ اختیار بڑی ولایت الحرب الکبریٰ (محکمہ جنگ) کے پاس ہو، جیسے سلطنت یا چھوٹی ولایت حرب کے پاس ہو جیسے "شرطہ" اور قضا (حکم) یا ولایت مال کے پاس ہو، جیسے مالی دفاتر اور ولایت حسبہ۔)

علامہ ابن تیمیہ نے "اسلامی ریاست" میں انجام دی جانے والی تمام ذمہ داری اور جملہ مناصب کا اصل الاصول ان الفاظ میں واضح فرما دیا ہے کہ۔

"اسلام میں ہر طرح کی ولایت، ہر نوع کی حکمرانی، ہر قسم کا منصب اور ہر طرح کی ذمہ داری کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر فرض کو اس مقصد کے لیے انجام دیا جائے کہ انسانی زندگی کی ہر روش اللہ ہی کے لیے ہو جائے اور ہر عمل کا مقصود اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو جائے[2]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۲۸، ص ۶۶

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۸ ص ۶۱

اسلامی نظام عدل کے تین درجے ہیں۔

احتساب
رفع مظالم
قضاء

احتساب اسلامی معاشرے کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس کی اصل اساس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو کہ امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے اور معاشرے کے مصلحین، اساتذہ اور دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ نیکیوں اور بھلائیوں کو فروغ دیتے رہیں اور برائیوں سے روکتے اور ٹوکتے رہیں۔ مصلحین اور علمائے امت یہ فریضہ دعوت و اصلاح کے پیرایہ میں انجام دیتے ہیں، جب کہ یہی فریضہ جب حکومت انجام دیتی ہے تو احتساب کہلاتا ہے اس نکتہ کے واضح ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ سرکاری محتسب اور ایک عام محتسب میں فرق بیان کیا جائے جیسا کہ الماوردی نے کیا ہے۔

احتساب کا دائرہ اختیار قضاء اور مظالم سے بہت وسیع ہے۔ ہر کھلی اور ظاہری برائی کا سدباب احتساب کے دائرے میں آتا ہے، مگر احتساب کا کام مصلحت اور نرمی کا متقاضی ہے کیونکہ بنیادی طور پر یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پہ مبنی ہونے کی بناء پر اپنے اندر اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے اس میں سخت گیری اور زیادہ سزائیں نہیں ہیں، بلکہ نصیحت و فہمائش سے لے کر ہلکی سی سرزنش اور تنبیہ تک احتساب کا دائرہ

اختیار ہے۔ گویا احتساب کے ذریعہ معاشرے کو مقررہ اخلاقی، دینی اور قانونی حالت پر برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

انسانی زندگی کے بے شمار معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان کسی زیادتی اور ناانصافی سے دوچار ہوجانے کے باوجود اپنا یہ معاملہ قضاء کے پاس نہیں لے جاتا یا نہیں لے جاسکتا۔ کیونکہ بسا اوقات وہ سوچتا ہے کہ حصول انصاف میں اسے جو زحمتیں پیش آئیں گی ان کے برداشت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اس زیادتی ہی کو انگیز کرلیا جائے بعض اوقات ظلم و زیادتی کرنے والا مقتدر حیثیت کا مالک ہوتا ہے اور مظلوم میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس ظالم کے خلاف زبان کھولے۔ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ خود قضاء کسی معاملہ میں فیصلہ صادر نہیں کرپاتی یا اگر فیصلہ دے دے تو فیصلہ کا نفاذ اس کی دسترس میں نہیں ہوتا، کیونکہ جس شخص کے خلاف فیصلہ دیا گیا ہے وہ کوئی جابر سلطان یا صاحب اقتدار و سطوت شخص ہے۔ ایسی تمام صورتوں کے لیے اسلام میں رفع مظالم کا تصور پیدا ہوا ہے۔ اس تصور کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی رو سے فراہمی انصاف کے لیے یہ ضرورت نہیں ہے کہ کوئی متاثر شخص دادرسی چاہے بلکہ تقاضائے عدل یہ ہے کہ عدل و انصاف کو معاشرے کے ہر فرد تک خود بلا قیمت اور بغیر طلب کے پہنچایا جائے۔ اسی اصول کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کرتے تھے کہ از خود لوگوں کے حالات معلوم کریں اور جہاں حکومت کی مدد اور فراہمی انصاف کی ضرورت ہے وہاں از خود انصاف پہنچا دیں۔ پھر اسلام کا تصور عدل نظام قضاء میں محدود نہیں ہے بلکہ اسلامی عدل میں سماجی انصاف بھی داخل ہے، بلکہ اسلام میں معاشرتی انصاف پہلے اور قانونی انصاف

بد میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور جملہ کہا تھا کہ "اگر فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا ہو تو مجھے ڈر ہے کہ روز قیامت میری اس پر گرفت نہ کی جائے۔"

امن وامان کے قیام اور معاشرے کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو توڑنے والوں کی روک تھام کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہر معاشرہ میں رہتی ہے جنہیں پولیس یا شرطہ کہا جاتا ہے

اسلام کے ان تینوں پہلوؤں، شرطہ (پولیس)، احتساب اور مظالم پر اردو میں یکجا بیان کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔

امید ہے کہ یہ تالیف اس ضرورت کو کسی حد تک پورا کر دے گی۔

۸ر دسمبر ۱۹۸۶ء

ساجد الرحمٰن صدیقی

جدید پولیس

فرائض اور مختصر تاریخ

کسی بھی طرز کی ریاست کے قیام کے لیے ناگزیر ہے کہ کچھ افراد اس کام پر متعین کئے جائیں کہ وہ ریاست کے احکام نافذ کریں اور اس امر کی دیکھ بھال کریں کہ لوگ ریاست کے نظم ونسق میں خلل نہ پیدا کریں۔ اور اس کے احکام جاریہ کی خلاف ورزی نہ کریں۔ جیسا کہ "ڈی اے جرلنگ" کہتے ہیں:

Some kind of compulsion has always been necessary in the most primitive communities for securing effective observance of law and order.[1]

قانونی نظم ونسق کی بحالی کے لئے اور قانون کے مؤثر نفاذ کے لئے کسی نہ کسی قوت کی قدیم ترین معاشروں میں بھی ضرورت رہی ہے۔

All societies need some means whereby order is maintained. In the

---

1. D.A.Girling; Everyman's Encyclopaedia. Vol.9, p.645, Edition 1978

smallest societies lacking written laws, informal sanctions discourage deviation. In simplest forms of state organization the ruler has agents to enforce his decisions.[1]

(تمام معاشروں کی یہ ضرورت ہے کہ کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے نظم و نسق قائم رہے بلکہ ان سادہ معاشروں میں بھی جہاں کوئی تحریری قانون موجود نہیں ہوتا، غیر رسمی ہدایات کے ذریعہ قانون سے انحراف کو روکا جاتا ہے۔ بہرحال حکومت کی کوئی بھی سادہ سی ضرورت ہو، حکمران کو ایسے نمائندوں کی ضرورت ہے جو اس کے فیصلے نافذ کر سکیں)

پولیس کے معنی اور ابتدائی تاریخ

"پولیس کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ (Politia) سے بنا ہے جس کے معنی ریاست یا حکومت یا قائم شدہ نظام کے ہیں"۔[2]

پولیس کی اصطلاح ہر چند کہ نئی ہے مگر شاید اس کا نشو و ارتقاء جرمن قبائل کے نسلی گروہوں (Kin groups of the Teutonic Tribes) سے ہوا ہے۔

جہاں تک جدید برطانوی اور امریکی پولیس کا تعلق ہے تو اس کی اصل بنیادیں ان دس مردوں کی جماعت (A group of ten free men

1. Encyclopaedia Britannica, Vol.14, p.662.
2. The World Book Dictionary, page 1612, Edition 1976.

میں تلاش کی جا سکتی ہے جو اینگلو سیکسن ٹی دھنگ (Engko-Saxon Tithing) کے نام سے متعارف ہے جو نہ صرف باہم ایک دوسرے کے کردار پر نظر رکھتے تھے بلکہ غلط کار کو (قانون) کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔[1]

"ٹی دھنگ" جماعت کے بارے میں نوح ویبسٹر (Noah Webster) کہتے ہیں...

"ٹی دھنگ قدیم انگلش قانون میں سول انتظامیہ کا ایک حصہ تھا جو بنیادی طور پر خاندان کے دس ذمہ دار افراد پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کا ہر فرد ٹی دھنگ کہلاتا تھا جو ایک کلیسائی علاقہ کا افسر ہوتا تھا اور ہر سال منتخب کیا جاتا تھا اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ عبادت کے دوران چرچ میں نظم و نسق قائم رکھے اور بد نظمی کے خلاف شکایت کرے۔[2]

صنعتی انقلاب کے بعد

انگلستان میں اٹھارویں صدی تک ٹی دھنگ میں بلا تنخواہ منتخب ہوتا یا مقرر کیا جاتا تھا اور وہ ایک کلیسائی حلقہ کا کانسٹبل قرار پاتا تھا مگر یہ نظام صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی شہری آبادی میں اضافہ کا متحمل نہ ہو سکا۔ اس وقت نظم و نسق کی بحالی کی ذمہ دار اور قانون نافذ

[1] Everymen's Encyclopaedia, Vol.9, page 645.
[2] Webster's New Twentieth Century Dictionary

کرنے والی قوتیں اس قدر کمزور تھیں کہ وہ لندن اور دیگر علاقوں میں ہونے والے ان ہنگاموں اور ان کے دوران واقع ہونے والے ان جرائم کی روک تھام بھی نہ کر سکیں جو خود ریاست کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں وہ مرحلہ بھی آگیا جب قانون نافذ کرنے کے لیے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ۱۸۲۹ء میں میٹروپولیٹن پولیس ایکٹ Metropolitan Police Act نافذ ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں ۲۹ ستمبر ۱۸۲۹ء کو لمبے نیلے کوٹ اونچے ہیٹ والی پولیس کا ایک ہزار نفری پر مشتمل دستہ وجود میں آگیا اور بعد ازاں صوبائی پولیس کے لیے بھی میٹروپولیٹن پولیس ہی نمونہ بن گئی۔

۱۸۵۶ء میں پاس ہونے والے (County and Borough Police Act) کی رو سے جہاں اس امر کے لیے جسٹس متعین ہوئے کہ وہ تنخواہ یافتہ پولیس بھرتی کریں وہاں حکومتی کنٹرول کا بھی ایک ذریعہ میسر آگیا۔

اگرچہ ۱۸۳۵ء سے واچ کمیٹیاں (Watch Committees) ہی کنٹرول کی ذمہ دار تھیں لیکن ۱۸۸۸ء تک کاؤنٹی پولیس جسٹس آف پیس (Justice of peace) کے ماتحت ہوا کرتی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے تحت اختیارات ہر کاؤنٹی کی ایک سٹینڈنگ جائنٹ کمیٹی (Standing Joint Committee) کو تفویض کر دیئے گئے جس میں کاؤنٹی کونسلروں اور جسٹسوں کو مساوی نمائندگی حاصل تھی۔

۱۸۲۸ء اور ۱۸۳۵ء میں لارڈ بنگ (Lord Byng) اور لارڈ ٹرنچرڈ (Lord Trenchard) نے میٹروپولیٹن پولیس کی تنظیم نو کی۔ پولیس کو کچھ اضافی ذمہ داریاں

سپرد کی گئیں مثلاً ٹریفک پٹرول کے فرائض وغیرہ۔ لارڈ ٹرنچرڈ کی اصلاحات کی روشنی میں افسران اعلیٰ کی تربیت کے لیے ایک پولیس کالج کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن اس تربیتی پروگرام پر تنقید ہوئی، اور اسے غیر جمہوری کہا گیا۔ اور جب ہنگاموں کے نتیجہ میں اس کالج کو بند کر دیا گیا تو جنگ عظیم دوئم کے بعد نہ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا بہرحال پولیس افسران کی تربیت کے لیے ۱۹۴۸ء میں کالج قائم ہوا جس میں پولیس کے اعلیٰ افسران کو تربیت دی جانے لگی۔

جنگ عظیم دوم کے بعد

جنگ عظیم کے بعد کے سالوں میں پولیس کے فرائض اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پے در پے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جس کے نتیجے میں پولیس کی کارکردگی متاثر ہوئی اور پولیس کی دستوری حیثیت اور اس کے انتظام و انصرام اور ذمہ داری اور فرائض کے تعین کے لیے اور یہ جائزہ لینے کے لیے کہ عوام کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے ایک رائل کمیشن (Royal Commission) قائم کیا گیا جس کی حتمی رپورٹ مئی ۱۹۶۲ء میں پیش کی گئی، اور اس میں پولیس میں باہمی تعاون بڑھانے، تعداد میں کمی کرنے اور پولیس کے خلاف کی جانے والی شکایات پر غور کرنے کا انتظام تجویز ہوا، اور یہ تجاویز انتظامی طور پہ زیر عمل لائی گئیں۔ اس کمیشن کے نتیجہ میں پولیس ایکٹ ۱۹۶۴ء میں جو اہم تبدیلی عمل میں آئی وہ یہ تھی کہ پولیس کی عام کارکردگی کے بارے میں سیکرٹری آف اسٹیٹ Secretary of State کو پارلیمنٹ

کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا۔[1]

ہم نے اوپر برطانوی پولیس کے بارے میں مختصر سا تاریخی تعارف بیان کیا ہے جس سے برطانوی پولیس کا ارتقاء ظاہر ہوتا ہے۔ بعد میں برطانیہ عظمیٰ کی بین الاقوامی سیادت کے زیر اثر یہ نظام دنیا کے بیشتر ممالک میں نفوذ کرتا چلا گیا۔

اور جب جنگ عظیم دوم کے بعد اتحادیوں نے جرمنی اور جاپان پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے ان ممالک میں بھی اینگلو امریکن پولیس کے طرز پر پولیس کا نظام قائم کیا۔[2]

طبعی بات یہ ہے کہ پولیس کا یہی نظام ان تمام اسلامی ممالک نے بھی اپنا لیا جو کسی نہ کسی طرح مغربی سامراج کے زیر اثر رہے۔ اور برصغیر پاک و ہند تو سو سال تک براہ راست تاج برطانیہ کا زیر نگیں رہا ہے۔ اس لیے یہاں انگریز نے فوج اور پولیس کی تشکیل و تنظیم پر بہت توجہ دی اور دونوں اداروں سے اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کرتا رہا۔

پولیس کے فرائض

جہاں تک پولیس کے فرائض کا تعلق ہے وہ دیگر اداروں کی طرح

1. Everyman's Encyclopaedia, Vol.9, pages 645-647.
2. International Encyclopaedia of the Social Sciences, Vol.12, page 175

وسیع ہوتے رہے ہیں اور تنوع اختیار کرتے رہے ہیں۔ لیکن بہر حال نظم و نسق کا قائم رکھنا اور قانون شکنی کی روک تھام کرنا پولیس کا بنیادی فریضہ ہے۔

(Keeping order and arresting the people break the law).[1]

(جرائم کی روک تھام کے ساتھ جان و مال کی حفاظت بھی پولیس کا فریضہ ہے۔)[2]

(It is the function of the police to be on the watch for antisocial conduct and to apprehend the offender as soon as possible.[3]

(پولیس کا عمل یہ ہے کہ غیر سماجی کاروائی پر نظر رکھے اور مجرم کو جس قدر جلد ممکن ہو گرفتار کرے۔)

پولیس اپنے فرائض مختلف ممالک میں مختلف طریقوں سے انجام دیتی ہے پولیس کے ارکان راستوں اور سڑکوں پر گشت کرتے ہیں تاکہ جرائم کے واقع ہونے کی روک تھام ہو سکے اور لوگوں کو ان کی مشکلات میں مدد فراہم کر سکے۔ اسی طرح پولیس ذرائع مواصلات کو بلا مزاحمت اور بحفاظت جاری رکھنے کیلئے انکی حفاظت کرتی ہے۔ اگر کہیں کوئی خاندانی جھگڑا ہو اس میں بھی پولیس کو طلب کیا جاتا ہے اور کسی حادثہ یا کسی شخص کے گم ہو جانے میں بھی پولیس کی امداد طلب کی

1. World Book Dictionary, page 1612.
2. Ibid.
3. World Book Encyclopaedia, Vol.15, page 546.

جاتی ہے۔ زلزلے، سیلاب، آگ لگ جانے یا کسی اور طرح کی مصیبت آجانے میں پولیس ستم رسیدہ افراد کو محفوظ مقامات پر لے جانے کا کام بھی انجام دیتی ہے ولسن نے اپنی کتاب پولیس ایڈمنسٹریشن میں لکھا ہے۔

بحیثیت پولیس آفیسر میرا بنیادی فریضہ انسانیت کی خدمت ہے اور وہ اس طرح کہ میں لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کروں۔ سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ و فریب میں آجانے سے بچاؤں۔ کمزوروں کو ظلم و ستم کا شکار ہو جانے سے محفوظ رکھوں۔ بد نظمی کو ختم کر کے پر امن حالات برقرار رکھوں اور تمام لوگوں کی آزادی مساوات اور انصاف اور دوسرے حقوق کا تحفظ کروں [1]

پولیس کا بنیادی فرض اب بھی جرم کا پتہ چلانا، وقوع جرم سے باز رکھنے کے لیے اجتماعی تدابیر کرنا، لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا، اور عوام میں نظم و نسق برقرار رکھنا ہے لیکن تبدیلیاں جو رونما ہوتی جارہی ہیں، پولیس کے فرائض میں وسعت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر ٹریفک کنٹرول کی ذمہ داری ایک اہم کام ہے جس سے پولیس کے طریق کار میں بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اس طرح دور جدید کے احتجاج اور راست عمل کے طریقوں نے بھی پولیس کے فرائض میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہائی جیکنگ، جہاز کے اغوا کے واقعات اور مسلح دہشت پھیلانے کے واقعات بھی بڑھتے جارہے ہیں، یہ چیز پولیس کے فرائض

---

[1] O.Willson, Police Administration (Ar.Translation) P.3,4.

میں مزید اضافہ کر رہی ہے [1]

او ڈبلیو ولسن پولیس کے فرائض کی تلخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

"پولیس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسی قوت اور شوکت کی بھی ضرورت ہے جس کی مدد سے وہ مجرموں کے دلوں میں رعب پیدا کر سکے اور اس طرح لوگوں سے فوجداری قوانین اور دیگر تنظیمی قوانین کی پابندی کروا سکے۔

بہرحال پولیس کے فرائض کو چار عنوانات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱- افراد میں ایسے میلانات پیدا ہونے کی روک تھام کرنا جو معاشرے کے خلاف ہیں اور مجرمانہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

۲- مجرمانہ افعال کے واقع ہونے کا سد باب کرنا۔

۳- مجرموں کو گرفتار کرنا، مسروقہ مال کی بازیابی کرنا، اور مجرموں کے مقدمات تیار کر کے عدالتوں کے سامنے پیش کرنا۔

۴- حکومتی نظام کی حفاظت کرنا۔ آمد و رفت کے قانون کی پابندی کروانا۔ اور دیگر خدمات انجام دینا [2]

شرطہ کے لغوی معنی

"شرطہ" کا لفظ "شرط" سے بنا ہے۔ اس کی جمع "شروط" اور "شرائط"

---

[1] Everyman's Encyclopaedia, Vol.9, Page 645.

2. O.Willson, Police Administration, (Arabic Translation), page 3,4.

ہے۔ اس سے شرط (پولیس) بنا ہے جس کی جمع "شرط" اور یا نسبتی کے ساتھ "شرطی" ہے۔

اولاً شرطہ مجاہدین کی اس جماعت کو کہا گیا جو جنگ میں ہراول دستہ کی طرح آگے بڑھتا اور اپنے اوپر یہ شرط عائد کر لیتا تھا کہ مر جائیں گے اور پیچھے نہیں ہٹیں گے اور اس طرح وہ جنگ میں جان کی بازی لگا دیتے تھے [1]

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔

"الشرطة نخبة الجيش التى تشهد الوقعة اولاً سُمّوا بذالک لانهم يشرطتون انفسهم للهلكة" (۲)

(لشکر کے وہ منتخب سپاہی جو میدان جنگ میں آگے آگے ہوں اور اپنے اوپر مرنے مارنے کی شرط عائد کر لیں۔)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

"قال الازهرى شرطَةُ كل شيئي خياره، ومنه الشُرطةُ لانهم نخبة الجند وقيل هم اول طائفةٍ تتقدم الجيش وتشهد الوقعة" (۳)

(ازہری کہتے ہیں کہ شرطہ کی معنی منتخب شے کے ہیں اسی لیے لشکر کے منتخب

[1] لسان العرب، ۹/ ۳۰۲

[2] الفائق فی غریب الحدیث، ۲/ ۲۳۸

[3] فتح الباری، ۱۳۰/ ۱۳۵، ارشاد الباری، ۱۰/ ۲۲۶

دستہ کو شرطہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ لشکر میں دستہ آگے بڑھے اور جان کی بازی لگا دے وہ شرطہ کہلاتا ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو کہ فتح قسطنطیہ کے بارے میں ہے کہ مسلمان رومیوں سے مقابلہ کے وقت اپنے اوپر یہ شرط لگائیں گے کہ وہ صرف فتح یاب ہی ہو کر لوٹیں گے جب یہ جماعت مقابلہ کرے گی تو لڑتے لڑتے رات آجائے گی دونوں فریق برابر رہیں گے، اور کوئی بھی غالب نہ آسکے گا اور اپنے اوپر شرط لگانے والوں کی یہ جماعت فنا ہو جائے گی۔ (وتفنى الشرطة) [1]

لین نے اس لفظ کی عمدہ وضاحت کی ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

شرط A thing which one has made a condition, you say, خذ شرطتك Take thou that which thou hast made a condition. Also, and ' شرط ' which is the pl. of the former. The choice men of the army: and such as compose the first portion of the army that is present in the war or fight, and prepare for death; (the braves of an army;)

[1] الفتح الربانی، ۲۹/ ۵

they are the Sultan's choice men of the army; and the term ' شرط ' is applied in a trade, to a party making it a condition to die, and not return, unless victorious: or this appellation, and ' شرط ', which is a rare form, are applied to a body of soldiers; and the pl. is ' شرط ' and the pl. is applied to the aids ' اعوان ' (here app. meaning guards) of the Sultan: ' ' also is applied to a well-known body of the aids ' اعوان ' (here meaning a armed attendants, officers, or soldiers,) of the prefects (of the police); pl. 'شرطه' , are so called because they assumed to themselves signs or marks, whereby they might be known to the enemies: 'صاحب الشرط' signifies. The Governor, or prefect (of the police, or) of a town, or city, or district, or province; to whom formerly pertained both religious and civil affairs; ( ).

لہ Lane: Arabic English Lexicon.

دور رسالت اور دور خلافت راشدہ میں پولیس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد اور میثاق مدینہ کے وجود میں آجانے کے بعد ذات والاصفات ہی تمام اختیارات کا مرکز اور منبع تھی۔ آپ اس نوزائیدہ ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ اور پوری دنیا کو فتح کرنے والی انقلابی فوج کے سپہ سالار بھی۔ آپ ایک نو بہ نو تشکیل پانے والے معاشرے کے مصلح قائد اور راہنما بھی تھے اور افراد معاشرہ کے معلم اخلاق اور مربی بھی۔ آپ منصف بھی تھے اور قاضی بھی۔

آپ نے وہ فرائض بھی انجام دیے اور صحابہ کرام سے ان کی تکمیل بھی کروائی۔

جن کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ فرائض ہیں جو بعد کے ادوار میں پولیس کے پاس رہے۔ اگرچہ دور نبوت میں ان فرائض کی ادائیگی کو کوئی متعین نام نہیں دیا گیا اور نہ آپ کی بعثت میں اس کام کو انجام دینے والی کوئی مخصوص جماعت مقرر کی گئی۔

آپ نے حیات طیبہ میں کئی مرتبہ بازار کا گشت کیا اور فروخت کی جانے والی اشیاء کی جانچ پڑتال کی کہ وہ دھوکہ اور فریب ہی کے ساتھ تو فروخت نہیں کی جارہی ہے۔

اس نوعیت کی ایک حدیث بھی یہاں نقل کی جاتی ہے۔

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یبیع طعاما فسالہ کیف یبیع فاخبرہ فاوحی الیہ ادخل یدک فیہ فادخل یدہ فیہا فاذا ھو مبلول فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من غش" (۱)

(حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو غلہ فروخت کر رہا تھا، آپ نے اس سے بھاؤ دریافت کیا اس نے بتایا، آپ کو وحی آئی کہ ہاتھ اندر ڈال کر دیکھیں۔ آپ نے ہاتھ اندر ڈالا تو وہ اندر سے گیلا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم سے نہیں ہے)۔

مجرموں کی گرفتاری

دور رسالت میں جب کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو صحابہ کرام اسے پکڑ کر حضور کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں یہ الفاظ ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا کیا اور اسے پکڑ کر آپ کے پاس لایا گیا۔ ایک موقع پر آپ نے خود یہ الفاظ فرمائے کہ "فخذوا علی یدیہ" اس کے ہاتھ پکڑلو۔

۱؎ الفتح الربانی ۵۹/۵۰

"عن انس بن مالک ان رجلا من الیہود قتل جاریۃ من الانصار علی حلی لہا ثم القاھا فی قلیب و رضخ راسہا بالحجارۃ فاخذ فاتی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر بہ ان یرجم حتی یموت فرجم حتی مات" (۱)

(حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری لڑکی کے زیور چھیننے کے لیے اسے قتل کر دیا اور پتھر سے اس کا سر کچل کر کنویں میں ڈال دیا۔ اسے پکڑا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ موت تک اسے سنگسار کیا جائے۔ چنانچہ اسے پتھر مارے گئے یہاں تک کہ وہ مرگیا)۔

"عن ابی شریح الخزاعی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصیب بدم او خبل، والخبل الجرح، فھو بالخیار بین

۱؎ الفتح الربانی: ۳۴/۱۶۔

احدی ثلاث اما ان یقتص او یاخذ العقل او یعفو فان اراد رابعة فخذوا علی یدیه فان فعل شیأ من ذالک ثم عدا بعد فله النار خالدا فیہا مخلدا (۱)

(ابو شریح الخزاعی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا کوئی شخص مارا گیا ہو یا زخمی ہوا ہو، اسے تین میں سے ایک بات کا اختیار ہے ... کہ قصاص لے لے یا دیت لے لے یا معاف کر دے۔ اگر اس نے کسی چوتھی بات کا ارادہ کیا تو اس کے ہاتھ پکڑ لو۔ اور اگر اس نے ان میں سے کوئی بات کر لی اور پھر زیادتی کی تو وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جرائم کے الزام میں لوگوں کو محبوس بھی رکھا۔

حبس کی سزا

آپ نے قرض کی عدم ادائیگی اور اس میں ٹال مٹول پر حبس کا حکم فرمایا اور بعض جرائم پر خود ہی حبس کی سزا دی۔ البتہ ثبوت جرم سے پہلے محض الزام پر

ؒ صحیح البخاری (الطلاق، الاشارة فی الطلاق والامور)، ۳/۲۷۷، مسند احمد بن حنبل ۳/۱۶۳، الفتح الربانی ۱۶/۳۴

سزا اور مار پیٹ کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث زیادہ اہمیت کی حامل ہیں...

۱۔ "عن عمرو بن الشرید عن ابیه عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لَیّ الواجد یحل عرضه و عقوبته قال ابن المبارک یحل عرضه یغلظ علیهم عقوبته یحبس له" (۱)

(حضرت عمرو بن شرید از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار آدمی کا قرض ادا نہ کرنا اس کی عزت اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ ابن المبارک نے فرمایا کہ اس حدیث میں عزت کو حلال کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے برا بھلا کہا جائے اور سزا سے مراد سزائے حبس ہے۔

۲۔ "عن بهز بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی صلی اللہ علیه وسلم حبس رجلا فی تهمة" (۲)

(بہز بن حکیم از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت میں حبس میں رکھا۔)

۳۔ "عن النعمان بن بشیر رفع الیه نفر من الکلاعیین ان

ؑ سنن ابی داؤد (اردو) ۳/۱۱۰

ؒ سنن ابی داؤد (القضاء) ۳/۱۱۰ - جامع الترمذی (الحبس فی التهمة) ۱/۲۴۰، سنن النسائی (امتحان السارق) ۸/۶۷

حاكة سرقوا متاعا فحبسهم اياما ثم خلی سبيلهم
فاتوه فقالوا خليت سبيل هؤلاء بلا امتحان ولا ضرب
فقال النعمان ما شئتم ان شئتم اضربهم فان اخرج الله متاعكم
فذالك والا اخذت من ظهوركم مثله قالوا هذا حكمك
قال هذا حكم الله عز وجل ورسوله صلى الله عليه وسلم" (۱)

(نعمان بن بشیر کے پاس بنو کلاع کے کچھ لوگ اپنا مقدمہ لے کر آئے کہ جلاہوں نے ان کا سامان چوری کر لیا ہے۔ آپ نے انہیں کچھ روز حبس میں رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ یہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے انہیں بغیر آزمائش اور مار پیٹ کے چھوڑ دیا۔ اس پر نعمان نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں انہیں ضرب کی سزا دوں۔ پھر اگر اللہ نے تمہارا سامان تمہیں دلوا دیا تو درست ورنہ میں تمہاری پیٹھوں سے اس کا بدلہ لوں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کا فیصلہ ہے نعمان نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔)

۴۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسیروں کو مسجد کے ستون سے باندھ دینے کا حکم فرماتے تھے اور قاضی شریح غریم (نادھندہ مقروض) کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا حکم دیتے تھے"۔ (۲)

---

(۱) سنن النسائی بشرح السیوطی (امتحان السارق بالضرب والحبس)، ۶۶/۸ و سنن ابی داؤد (فی الامتحان بالضرب)، ۲۶۴/۳۔

(۲) صحیح بخاری، بحاشیہ السندی (صلاح)، ۹۲/۱

بازار میں خرید و فروخت کے معاملات میں قانون کی خلاف ورزی پر برسرِ موقع سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ:

۵۔ "لقد رأيت الناس فی عهد النبی صلى الله عليه وسلم
يبتاعون جزافاً يعنی الطعام يضربون ان يبيعوه فی مكانهم
حتى يؤوه رحالهم (۱)

(میں نے عہد نبوی میں دیکھا کہ لوگ غلہ اندازے سے خریدتے پھر اسے اگر اپنے ٹھکانے پر لے جانے سے قبل اسی جگہ فروخت کرتے تو انہیں مار لگائی جاتی)

بعض اہم نکات

احادیث کی تلاش و جستجو کے دوران متعدد ایسی احادیث سامنے آئی ہیں جن سے پولیس کے فرائض و اثبات جرم اور اقبال جرم وغیرہ کے بارے میں بہت سے اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس طرح کی تمام احادیث کا اس مقام پر ضبط تحریر میں لانا تو ممکن نہیں ہے۔ البتہ ہم بطور مثال چند واقعات و احادیث ذکر کرتے ہیں اور بعض واقعات کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

"حضرت ماعز اور غامدیہ کے زنا کے اعتراف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسے سوالات کئے جن سے یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کا اعتراف جنون یا کسی نفسیاتی دباؤ کے تحت

---

(۱) صحیح البخاری (بحاشیہ السندی)، البیوع) ۱۶/۲

نہیں ہے بلکہ وہ فی الواقع اعتراف جرم کر کے سزا پانا چاہتے تھے۔[1]
ایک لڑکا جو کسی کے یہاں ملازم تھا وہ اپنی مالک کے ساتھ ملوث ہو گیا اس کا باپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ نے مقدمہ کی تمام تفصیل سننے کے بعد حضرت انیس کو حکم دیا کہ ملزمہ سے پوچھ گچھ کریں اگر وہ اعتراف کرے تو اسے رجم کر دیں۔[2]

قیس بن سعد بن عبادہ

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ بن دلیم انصاری بہت جلیل القدر صحابی تھے عرب کے بہادر جری اور جنگی تدبیروں سے آشنا تھے۔[3]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ کسی کو محبوس کریں کسی کو ماریں اور کسی کو پکڑ لیں[4] چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایسے فرائض انجام دیتے تھے جو صاحب الشرطہ (پولیس) کے فرائض ہیں۔ اس لئے حضرت انس بن مالک نے انہیں "صاحب الشرطہ" سے تشبیہ دی۔ چنانچہ روایت ہے کہ...

---

[1] سنن ابو داؤد، (الحدود) ۳/ ۵۸۵ (اردو)
[2] سنن الدارمی (الاعتراف بالزنا) ۲/ ۹۸
[3] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۹/ ۱۷۰، (حاشیہ الاصابہ)
[4] تحفقات خوزی ۱۰/ ۳۴۹

"عن انس ان قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ صاحب الشرطۃ من الامیر" (۱)

صاحب الشرطہ عہد نبوت کے عمال میں کوئی عامل نہیں ہوتا تھا۔ یہ لفظ بنی امیہ کے دور میں آیا ہے اور حضرت انس کا مقصود اپنے دور کے لوگوں کی تفہیم کے لیئے ان کے عمل کو صاحب الشرطہ سے تشبیہ دینا ہے۔[1]
حضرت قیس بن سعد کے بارے میں حضرت انس کی مذکورہ حدیث سے اس امر کی وضاحت ہو گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس کو ان کاموں کے لیئے مقرر کیا تھا اور وہ آپ کی نیابت میں مجرموں کو گرفتار کرنے انہیں سزا دینے اور ضرب لگانے کی فرائض انجام دیتے تھے۔ اگرچہ حیات طیبہ میں حضرت قیس کو ان فرائض کی انجام دہی کے لئے کوئی متعین اصطلاح وضع نہیں کی گئی تھی اور اس وقت "شرطہ" یا صاحب الشرطہ" کے لفظ کا بھی اطلاق نہیں ہوا تھا بلکہ بقول حافظ ابن حجر یہ اصطلاح دور اموی میں متعارف ہوئی لیکن چوں کہ حضرت قیس نے وہ فرائض انجام دیئے جو بعد میں صاحب الشرطہ کے فرائض قرار پائے۔ اس لئے حضرت انس نے انہیں "صاحب الشرطہ" سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ اس کا منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ایسا تھا جیسا کہ

---

(۱) صحیح البخاری بحاشیہ السندی ۴/ ۲۳۶، تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۳۵۰ (المناقب) کتاب الاحکام
[2] فتح الباری ۱۳/ ۱۲۷، عمدۃ القاری ۲۴/ ۲۳۳، غالباً مراد یہ ہے کہ صاحب الشرطہ کا باقاعدہ منصب اور عہدہ اموی دور میں وجود میں آیا۔

کسی امیر کے یہاں صاحب الشرط کا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مجرموں کی گردن اڑانے کے لیئے بھی بعض افراد مقرر کر دیئے گئے تھے۔ اور حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت اور ضحاک بن سفیان کلابی اس خدمت کو انجام دیا کرتے تھے۔ لہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے پاس تلوار لئے کھڑے رہے۔ کہ

عہد فاروقی

حضرت عمر فاروق تاریخ عالم کے انتہائی مدبر، جزرس اور پیش بین حکمران تھے۔ انہوں نے اسلامی حکومت کی جس طرح تاسیس کی تھی اس میں بڑی جامعیت اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ریاست وحکومت کے ہر پہلو میں ایسے کارنامے انجام دیئے کہ تاریخ عالم میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی حضرت عمر پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے باقاعدہ فوج تیار کی، ان کے ناموں اور ان کی تنخواہوں کے اندراج کئے۔ نظام عدل کی تاسیس کر کے انتظامیہ سے جدا مستقل طور پر ترقی دی اور "احتساب اور عسس" کا وسیع نظام قائم کیا۔ اس طرح حضرت عمر ہی پہلے خلیفہ ہیں جن کے عہد میں "الشرط" پولیس وجود میں آئی۔ جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں زیادہ ترقی پائی۔

لہ سیرۃ النبی ۲۲۰/۷۸

کہ زاد المعاد ۱/۳۲- گوہر رحمان، اسلامی ریاست ۳۰۶

چنانچہ عبداللہ بن مسعود جو حضرت عمر کے مقرر کردہ عامل تھے انہیں جب ایک جرم کی رپورٹ ملی تو انہوں نے فوراً الشرط کو مجرمین کے گرفتار کر کے لانے کیلئے روانہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا انتقال حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں ۳۲ھ میں ہوا ہے۔ لہ

عن ابی وائل عن معین السعدی قال خرجت اسقی فرسا لی فی السحر فمررت بمسجد بنی حنیفة وهم یقولون ان مسیلمة رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتیت عبد الله بن مسعود فاخبرته فبعث الشرطة فجاؤا بهم فاستتابهم فتابوا فخلی سبیلهم وضرب عنق عبد الله بن النواحة فقالوا اخذت قوماً فی امرٍ واحد فقتلت بعضهم وترکت بعضهم قال انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم وقدم علیه هذا وابن اثال بن حجر فقال اتشهد ان انی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالا تشهد ان مسیلمة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال النبی آمنت بالله ورسله ولو کنت قاتلاً وفداً لقتلت کما قال فلن اقتلتهُ" (۲)

لہ تہذیب التہذیب ۶/۲۷، البدایۃ والنہایۃ ۷/۱۶۲

کہ مسند احمد بن حنبل ۱/۴۰۴، سنن دارمی ۲/۳۱۵، السیر

معیر السعدی سے مروی ہے کہ میں صبح سویرے اپنے گھوڑے کو پانی پلانے نکلا تو میرا گزر مسجد بنی حنیفہ سے ہوا، وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ مسیلمہ خدا کا رسول ہے۔ اس پر میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور انہیں بتلایا۔ انہوں نے شرطہ بھیجا اور وہ انہیں گرفتار کر کے لے گئے حضرت عبداللہ نے ان سے توبہ کرائی انہوں نے توبہ کر لی تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور ان میں سے عبداللہ بن نواحہ کی گردن اڑا دی۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ہی معاملہ میں کچھ لوگوں کو گرفتار کیا اور ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا اور کسی کو مار دیا۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ یہ شخص اور ابن اثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جب آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں رسول خدا ہوں تو ان دونوں نے کہا تھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں اور اگر میں کسی وفد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ اسی لیئے میں نے اسکو قتل کر دیا ہے۔[۱]

ابو شجرہ نامی ایک شخص جو مرتد ہو گیا تھا حضرت عمر کے پاس آیا اور ان سے طلب حاجت کی۔ حضرت عمر نے اس کے سر پہ کوڑے سے ضرب لگائی وہ بھاگ کر اپنی قوم میں واپس آیا اور کہا کہ میں عمر اور اس کی شرطہ سے بھاگ کر آیا ہوں۔

---

[۱] الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۵۷

علامہ شبلی نعمانی الفاروق میں تحریر کرتے ہیں:

"پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا۔ اور اس وقت اس کا نام "احداث" تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو "صاحب الاحداث" کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمر نے قدامہ بن مظعون اور حضرت ابو ہریرہ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔[۱]

عہد فاروقی میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر ان فرائض کو انجام دیتے رہے اور ان فرائض سے متعلق آپ نے وقتاً فوقتاً بڑی واضح ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ اور بعض مقامات پر ایسے اصول ملتے ہیں جو آج کے پولیس کے نظام میں ترقی یافتہ اور جدید سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت عمر نے یہ اصول بیان فرمایا کہ "قاتلوں کو گرفتار کر لاؤ اور کوئی شخص انہیں پناہ نہ دے" مجرم کو پناہ دینا بذات خود ایک جرم ہے اور حضرت عمر نے اس کی بڑے واضح الفاظ میں ممانعت فرمائی۔ حضرت عمر کے ہاتھ میں کوڑا رہتا اور اکثر اسے وہ بطور تنبیہ اٹھا لیا کرتے تھے۔

حضرت ام ورقہ ایک بڑے رتبہ والی صحابیہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کے لیئے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے جہاد میں شرکت کر کے زخمیوں کی دیکھ بھال اور بیمار مجاہدوں کی تیمارداری کرنے کی درخواست کی اور

---

[۱] الفاروق ۲، ص ۳۴۹۲۔

تمنا ظاہر کی کہ شاید اس طرح مجھے درجہ شہادت نصیب ہو۔ ان صحابیہ کے پاس ایک غلام تھا اور ایک باندی؛ انہوں نے ان دونوں کو مدبر کر دیا تھا یعنی وہ دونوں آپ کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ ان دونوں سے صبر نہ ہو سکا۔ اور ان کے مرنے کا انتظار نہ کر سکے اور ایک چادر سے ان کا گلا گھونٹ کر مار دیا اور فرار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ ان دونوں کو کوئی پناہ نہ دے اور جہاں ملیں گرفتار کر کے لائیں۔ چنانچہ وہ پکڑ کر لائے گئے۔ آپ نے انہیں قتل کروا کر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ پھانسی کی سزا بطور تعزیر دی کیونکہ انہوں نے اپنی محسنہ کو بے دردی اور بے رحمی سے قتل کیا تھا۔

ہم یہ روایت یہاں نقل کرتے ہیں۔

"عن ام ورقة بنت عبد الله بن الحارث ان نبی الله کان یزورها کل جمعة وانها قالت یا نبی الله یوم بدر أتاذن فاخرج معک امرض مرضاکم واداوی جرحاکم لعل الله یهدی لی شهادة قال قری فان الله عزوجل یهدی لک شهادة وکانت اعتقت جاریة لها وغلاما عن دبر منها فطال علیهما فغماها فی القطیفة حتی ماتت وهربا فاتی عمر فقیل له ان ام ورقة قتلها غلامها وجاریتها وهربا فقام عمر فی الناس فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یزور ام ورقة ویقول انطلقوا نزور الشهیدة وان فلانة جاریتها وفلانا غلامها غماها ثم هربا فلا یؤوینهما احد ومن وجدهما فلیات بهما فصلبا فکانا اول مصلوبین" (۱)

۱؎ الفتح الربانی ۱۶/۳۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ انہوں نے بدر کے موقعہ پر عرض کی کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں۔ آپ کے مریضوں کی تیمار داری کروں اور زخمیوں کی دوا کروں۔ شاید اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے۔ اس پر آپ نے فرمایا انتظار کریں اللہ آپ کو شہادت ہی نصیب فرمائے گا۔ ان کی ایک باندی اور ایک غلام تھا انہوں نے دونوں کو اپنی موت کے بعد آزاد قرار دے دیا تھا۔ انہیں ان کی موت کا انتظار طویل معلوم ہوا اور دونوں نے ان کو چادر میں لپیٹ کر گلا گھونٹ دیا اور وہ مر گئیں اور یہ دونوں فرار ہو گئے۔ اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ سے ملنے جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم شہیدہ کی زیارت کے لیے چلتے ہیں۔ ان کی باندی اور غلام نے انہیں گلا گھونٹ کر مار دیا ہے اور فرار ہو گئے ہیں کوئی شخص ان دونوں کو پناہ نہ دے اور جس کو مل جائیں وہ پکڑ کر لے آئے آپ نے ان دونوں کو پھانسی دی اور یہ اسلام میں پہلے افراد تھے جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔

حضرت عمر فاروق کے زمانے میں ایک عورت ایک انصاری نوجوان پر فریفتہ ہوئی لیکن وہ نوجوان اپنا دامن بچاتا رہا جس پر اس عورت نے یہ فریب کیا کہ انڈے کی سفیدی اپنے کپڑوں اور جسم پر لگالی اور چلاتی ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی اور کہا کہ اس شخص نے مجھے رسوا کر دیا اور میرے اوپر غالب آگیا جس کے اثرات میرے اوپر موجود ہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے کہا کہ اس کے کپڑوں اور

جسم پر منی کے نشانات ہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے اس نوجوان پر سزا جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ جس پر وہ نوجوان گڑگڑانے لگا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین میرے معاملے میں تحقیق کر لیجیے۔ میں نے کسی برائی کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ پہلے اس عورت نے ہی مجھے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں ہر حال میں پاکدامن رہا۔ اس پر حضرت عمر نے حضرت علی سے رائے طلب کی۔ حضرت علی نے تیز گرم پانی منگوایا اور وہ کپڑوں پر لگی ہوئی سفیدی پر ڈالا اور اسے سونگھ کر دیکھا اور عورت کو بھی سرزنش کی تو اس نے بھی اپنے فریب کا اعتراف کر لیا۔

مذکورہ بالا واقعہ جرم کے بارے میں پولیس تحقیق اور ماہر کی رائے Expert opinion اور کیمیائی تجزیہ حاصل کرنے کے بارے میں بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت عمر فاروق نے جرم کے وقوع کی تحقیق کی اور کپڑوں پر لگے ہوئے نشانات کے بارے میں حضرت علی کی ماہرانہ رائے طلب کی حضرت علی نے تجرباتی تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ کپڑوں پر لگے ہوئے نشانات منی کے نہ تھے۔ کیونکہ انڈے کی سفیدی پر گرم پانی ڈالا جائے تو وہ سکڑ جاتی ہے جب کہ انسانی منی گرم پانی ڈالنے سے بہہ جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت علی نے اس عورت کو ڈرا دھمکا کر اس سے اعتراف جرم بھی کروا لیا [1]

حضرت عمر ریاست کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ لوگوں کے مصالح کی تکمیل کے لیے رات کو بیدار رہتے اور گشت کرتے تھے۔ آپ نے رات کے وقت اس امر کے لیے کہ کوئی جرم واقع نہ ہو اور کوئی ضرورت مند اپنی کسی احتیاج سے پریشان

[1] الطرق الحکمۃ، ص ۴۸

نہ ہو۔ باقاعدہ نظام عسس کی بنیاد قائم کر دی تھی۔

ایک دفعہ جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ابو محجن ثقفی اور ان کے احباب مے نوشی میں مشغول ہیں تو حضرت عمر ان کی گھر داخل ہو گئے۔ بعد میں آپ کو علم ہوا کہ خبر درست نہیں تھی [1]

اور ایک مرتبہ آپ حضرت عبد الرحمن بن عوف کو ساتھ لے کر رات کے گشت پر نکلے اور ربیعہ بن امیہ بن خلف کے گھر پہنچے جو اس وقت شراب پی رہے ہیں حضرت عمر نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے جواب دیا کہ یہ "لاتجسسوا" کے حکم میں آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر وہاں سے لوٹ آئے [2]

حضرت عمر نے شفاء بنت عبد اللہ کو بازار کا عامل (نگران) بھی مقرر کیا تھا [3]۔ اور اسی طرح ایک عمر رسیدہ صحابیہ تھیں جن کا نام سمراء بنت نہیک اسدیہ تھا وہ بھی حضرت عمر کے زمانے میں کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتی تھیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتیں اور اس پر لوگوں کو مارا کرتی تھیں [4]

[1] مصنف عبد الرزاق ۱۰/۲۳۲، تفسیر القرطبی ۱۶/۳۳۳

[2] مصنف عبد الرزاق ۱۰/۲۳۱، تفسیر القرطبی ۱۶/۳۳۳

[3] الاستیعاب (علی ہامش الاصابہ) ۱۳/۵۶، موسوعہ فقہ عمر (در لفظ امارہ)

[4] الاستیعاب ۱۳/۴۵ موسوعہ فقہ عمر در لفظ امارہ۔

جیل خانہ کی ایجاد

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ ۔

اس صیغے میں حضرت عمر کی یہ ایجاد ہے کہ جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں حضرت عمر نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفے کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں بھجوائے جاتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ تھے تو اخیر دفعہ حضرت عمر نے اس کو حد کی بجائے قید کی سزا دی [1]

حضرت علی کا دور

حضرت علی کے زمانے میں الشرطہ نے زیادہ وسعت اختیار کر لی تھیں۔ صاحب الشرطہ ہر وقت حاضر رہتا اور شب و روز میں ہر وقت آپ کے احکام کی تنفیذ کے لیے

---

[1] الفاروق ۳۴۶، ۳۴۷

تیار رہتا تھا [1]

قیس بن سعد بن عبادہ جو حضرت انس کے بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صاحب الشرطہ کے درجہ میں تھے، انہیں حضرت علی نے مصر میں اپنا عامل مقرر کیا تھا۔ قیس بن سعد بن عبادہ حضرت علی کے عہد میں امیر لشکر بھی رہے۔ ان کے پاس الشرطہ کے نام سے بارہ ہزار نفری پر مشتمل ایک نیم عسکری دستہ تھا جو عسکری مہمات کے علاوہ پولیس کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ یہ دستہ ان کے پاس حضرت علی کی وفات کے بعد بھی باقی رہا [2]

ایک صاحب خلاس بن عمرو البصری اور شریح بن ہانی المذحجی بھی حضرت علی کے والی شرطہ تھے [3]

حضرت علی کے زمانے میں "عامل شرطہ" کی اصطلاح بھی وجود میں آگئی تھی۔ اور انہوں نے عامل شرطہ کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ میں تمہیں وہ کام سپرد کر رہا ہوں جو رسول اللہ نے میرے سپرد کیا تھا کہ میں بت اور مجسمے توڑ ڈالوں اور قبریں برابر کر دوں۔

"عن حنش الکنانی عن علی انہ بعث عامل شرطۃ فقال لہ اتدری علی ما ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] عبد المنعم صالح العلی، دفاع عن ابی ہریرہ ۱۸۵ بغداد: الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۷۳ء

لہ

[3] تہذیب التہذیب ۲/۱۶۷، ۴/۳۳۱

علیہ وسلم ان انحت کل یعنی صورۃ و ان اسوی کل قبو" (۱)

حنش الکنانی حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے عامل شرطہ کو روانہ کیا اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں ایک ایسے فرض کی ادائگی کے لیے بھیج رہا ہوں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا کہ میں تمام مجسمے اور بت، توڑ ڈالوں اور قبریں برابر کر دوں۔

"عن کعب بن علقمۃ حدثنی مولی لعقبۃ بن عامر قلت لعقبۃ بن عامر ان لنا جیرانا یشربون الخمر قال استر قال ما استر علیہم ارید ان اذھب اجیئی بالشرطہ علیہم قال فقال لہ عقبۃ ویحک مہلا علیہم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای عورۃ فسترھا کان کمن استحیا موؤدۃ من قبرھا" (۲)

کعب بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عقبہ بن عامر کے مولی نے بیان کیا کہ میں نے عقبہ بن عامر کو بتایا کہ ہمارے پڑوسی شراب پی رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ان کی پردہ پوشی کرو، مولی نے کہا میں پردہ پوشی نہیں کروں گا بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ شرطہ کو بلا کر لاؤں۔ عقبہ نے کہا برا ہو تیرا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی کا عیب

۱؎ مسند احمد بن حنبل ۱/۱۵۰

۲؎ سنن ابی داؤد (الستر علی المسلم) ۴/۱۲۶، ۲/۲۵۳
مسند احمد بن حنبل ۴/۱۵۸

دیکھا اور پھر اس کی پردہ پوشی کی وہ ایسا ہو گیا جیسا کہ کسی نے زمین میں زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو اس کی قبر سے زندہ اٹھا دیا۔

ایک نوجوان نے حضرت علی کے پاس شکایت کی کہ فلاں فلاں لوگ میرے والد کو لے کر تجارتی سفر پر روانہ ہوئے تھے وہ خود تو واپس آ گئے ہیں مگر میرا باپ واپس نہیں لائے میں نے ان سے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ راستے میں مر گیا۔ میں نے ان سے اس کے مال کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا ہے۔ حضرت علی نے اسی وقت پولیس کا دستہ منگوایا اور ان میں سے ہر ایک شخص کو دو پولیس والوں کے سپرد کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو ایک دوسرے سے ملنے نہ دیا جائے اور نہ باتیں کرنے دیں پھر اپنے کاتب کو بلوایا کہ وہ اس مقدمے کی کارروائی لکھتا جائے۔ پھر حضرت علی ان میں سے ہر ایک کو بلوا کر تحقیق کرتے رہے کہ یہ شخص کس دن تمہارے ساتھ روانہ ہوا تھا؟ کہاں کہاں تم ٹھہرے تھے؟ کس بیماری میں مرا تھا؟ کس نے غسل دیا تھا؟ کس نے نماز جنازہ پڑھائی تھی؟ کس نے دفن کیا تھا؟ اور اس کے مال واسباب کا کیا ہوا؟ ہر شخص سے فرداً فرداً اسی طرح تفتیش کی گئی۔ اور ساتھ ہی حضرت علی ہر ایک کہتے تھے کہ سچ بول کر ہی تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ اس ساری کارروائی کے بعد حضرت علی نے انہیں قید میں بھیجنے کا حکم دے دیا اور بلند آواز سے حضرت علی اور موجود سب لوگوں نے اللہ اکبر کہا جس سے باقی سب لوگوں کو یہ تاثر ہوا کہ ہمارے ساتھی نے اقرار کر لیا ہے۔ غرض اسی طرح حضرت علی نے سب سے اقرار کرا لیا اور ان سب سے مقتول کی دیت بھی وصول کی اور اس کا مال بھی واپس لیا۔[۱]

۱؎ الطرق الحکمیہ ص ۴۹/۴۸

حضرت علی کے زمانے میں پولیس کی موجودگی پر ایک اور واقعہ سے بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس واقعہ میں پولیس کے لیے "عس" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ واقعہ کی نوعیت اس طرح ہے کہ حضرت علی کے زمانے میں ایک شخص کو ایک غیر آباد مکان سے اس طرح گرفتار کیا گیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی اور ایک مقتول کی لاش اس کے سامنے پڑی ہوئی تھی جب اس قتل کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ قتل میں نے کیا ہے۔ لوگ اسے قتل کرنے کے لیے لے جانے لگے تو ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا اے لوگو جلدی نہ کرو۔ اور حضرت علی کے پاس لے چلو۔ حضرت علی کے پاس جا کر اس دوسرے شخص نے کہا کہ مقتول کو اس شخص نے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے قتل کیا ہے۔ اس پر حضرت علی نے پہلے شخص سے پوچھا کہ تم نے یہ کیسے کہا کہ تم نے قتل کیا ہے اور تم نے اپنے آپ کو قاتل کیوں بنایا۔ اس نے کہا کہ دراصل میں قصاب ہوں۔ صبح سویرے میں نے گائے ذبح کی اور اس کی کھال اتارنے لگا۔ اسی دوران مجھے پیشاب کی شدت محسوس ہوئی تو میں اس ویرانے میں پیشاب کرنے چلا گیا۔ پیشاب کر کے دیکھا کہ لاش پڑی ہوئی ہے اور میرے ہاتھ میں اسی طرح خون آلود چھری تھی۔ میں پریشانی کی حالت میں یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ پولیس (عس) پہنچ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میری کوئی بات نہیں سنی جائے گی تو میں نے قتل کا اعتراف کر لیا[2]

---

[1] الطرق الحکمیہ، ص ۴۹، ۴۸

[2] الطرق الحکمیہ، ص ۵۵

عہد اموی میں شرطہ

مسلح لوگوں کا وہ دستہ جس سے خلیفہ یا ولی امن و امان قائم رکھنے، نظم و نسق بحال رکھنے اور جرائم پیشہ اور فساد پیدا کرنے والے لوگوں کو گرفتار کرنے کا کام دیتا ہے اس کے علاوہ ان کے کچھ فرائض بھی تھے جن کا مقصود لوگوں کی حفاظت اور ان کے اطمینان کا حصول تھا ان کو شرطہ اس لئے کہا گیا کہ ان کے لباس پر کچھ علامتیں لگی ہوتی تھیں جن سے یہ پہچانے جاتے تھے۔

رات کے وقت شہریوں کی حفاظت اور ان کی چوکیداری کا نظام سب سے پہلے حضرت عمر نے قائم کیا۔ حضرت علی کے زمانے میں شرطہ کی باقاعدہ تنظیم ہوئی اور اس کے سربراہ کا نام صاحب الشرطہ تجویز ہوا۔ شرطہ کا یہ قائد اس وقت کسی ایسے آدمی کو مقرر کیا جاتا تھا جو لوگوں میں ممتاز صاحب خاندان اور قوت والا ہو۔ یہ امن و امان قائم رکھنے میں اس مسلح جماعت کے سربراہ کے فرائض انجام دیتا تھا جو امن و امان کے قائم رکھنے میں خلیفہ یا ولی کی امداد کرتی تھی۔ اولاً شرطہ عدلیہ کے ماتحت تھا اور عدالتی فیصلوں کو نافذ کرنا اور حدود جاری کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ لیکن بعد میں یہ محکمہ قضا سے علیحدہ ہو گیا اور صاحب الشرطہ کا کام جرائم کی روک تھام قرار پایا۔ دور عباسی اور اندلس کے اموی دور میں حدود کا اجرا بھی صاحب الشرطہ کی

ذمہ داری تھی [1]

۲۰ھ میں جب اہل عرب نے مصر فتح کر لیا تو اس وقت فسطاط شہر میں پولیس موجود تھی [2]

ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ــ ۱۲۵) نے ایک محکمہ "نظام الاحداث" کے نام سے قائم کیا تھا۔ اس محکمہ کا سربراہ کئی ایک ذمہ داریاں انجام دیتا تھا۔ اور ایسے عسکری فرائض بجا لاتا تھا جو امیر لشکر اور شرطہ کے درمیان امور وسط متصور ہوتے تھے۔

۱۲۳ھ میں صالح بن علی نے ایک فوجی چھاؤنی قائم کی اور اس کے ساتھ ہی شاہی شرطہ کے لیے ایک علیحدہ مرکز قائم کیا اور اس کا نام دارالشرطۃ العلیا رکھا۔ اسی طرح اس نے الفسطاط میں پولیس مرکز قائم کیا جو دارالشرطۃ السفلی کہلایا۔ غرض اس طرح اس کے دور میں شرطہ کی دو قسمیں ہو گئیں۔

۱- الشرطۃ السفلی — جس کا مرکز الفسطاط تھا

۲- الشرطۃ العلیا — جس کا مرکز فوجی چھاؤنی تھا [3]

بنی امیہ کے عہد ہی میں اندلس میں اس محکمہ کی عظمت بڑھ گئی تھی اور وہاں اس کے دو شعبے بنا دیئے گئے تھے۔

---

[1] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی ۱/ ۲۴۳

[2] تاریخ الاسلام ۱/ ۶۰

[3] " ۱/ ۴۶۰

الشرطہ الکبری (بڑی پولیس)

الشرطہ الصغیر (چھوٹی پولیس)

اس طرح پولیس کے دو محکمے وجود میں آ گئے۔ بڑا محکمہ اور چھوٹا محکمہ۔ اور ان کی یہ تقسیم ان کے اختیارات کی تقسیم اور فرق کی بنا پر تھی۔ چنانچہ الشرطۃ الکبریٰ کے اختیارات معززین شہر، عوام اور ان تمام طبقوں پر محیط تھے جن کا کسی طرح اقتدار اور حکومت سے تعلق ہو۔ یہ محکمہ افسران اور کارکنان حکومت کے اعمال پر بھی نظر رکھتا اور ان کی بدعنوانیوں کی روک تھام کرتا تھا۔ اس محکمہ کے اعلیٰ افسر کی کرسی شاہی محل کے دروازے کے پاس رکھی جاتی تھی اور لوگ بنچوں پر اس کے سامنے بیٹھتے تھے اور اس کی اجازت ہی سے وہاں سے ہٹتے تھے۔ یہ عہدہ حکومت کے بڑے بڑے لوگوں ہی کو ملتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ وزارت وجاہت کا پیش خیمہ یا نشانی ہوتا تھا [1]

دورِ عباسی میں شرطہ (پولیس)

عباسی عہد میں نظام شرطہ زیادہ وسعت اختیار کر گیا اور عباسی عہد کے اہم اداروں میں متصور ہونے لگا [2] پولیس افسر بعض معاملات میں فوج کے سربراہ کے ماتحت ہوتا۔ اس کا فریضہ یہ تھا کہ شروع ہی سے جرائم کی تمام تفصیلات کی تحقیق کرے اور اس کے بعد سزائیں جاری کرے۔ شریعت (قضا) میں الزامات پر غور اس لیے کیا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ۲۰/۳، (اردو) انگریزی ترجمہ ۲/ ۳۷-۳۸

[2] تاریخ الاسلام ۲/ ۲۷۱

جاتا ہے کہ مجرموں کو ثبوت جرم کے بعد سزائیں دی جائیں اور سیاست (انتظامیہ) ہیں اس کا مقصود جرائم کی پوری تحقیق اور قرائن کی موجودگی میں مجرموں سے ڈرا دھمکا کر جرائم کا اقرار کرائے اور عام مصلحت پر عمل کیا جائے۔ لہٰذا وہ حاکم جو تحقیقات کا ذمہ دار ہوتا اور اس کے بعد قرار واقعی سزائیں دیتا اور قاضی کے فیصلوں پر عمل کراتا۔ " صاحب الشرطہ " کہلاتا تھا۔ کبھی یہ صاحب الشرطہ قصاص و تعزیرات کے معاملہ میں خود ہی ذمہ دار ہوتا اور قاضی کے ماتحت نہیں ہوتا تھا[1]

افریقہ میں پولیس کے سربراہ کو " حاکم (MAGISTRATE) کہا جاتا تھا جب کہ اسپین میں " صاحب المدنیہ (TOWN CHIEF) نام تھا اور مصر میں ترکوں کی حکومت میں اسے " والی " (GOVERNOR) کہتے تھے[2]

الماوردی نے پولیس کے فرائض الولایۃ علی حروب المصالح کے عنوان کے تحت بیان کئے ہیں[3]

صاحب الشرطہ کسی ایسے شخص کو مقرر کیا جاتا تھا جو قوم میں ممتاز حیثیت اور عصبیت اور قوت والا ہو۔ بہرحال " صاحب الشرطہ " کا کام یہ تھا کہ وہ امن و امان قائم رکھتا اور قانون شکنی کرنے والوں اور بدنظمی پیدا کرنے والوں کو گرفتار کر لیتا تھا[4]

---

[1] تاریخ الاسلام ۲/۲۷۱

[2] مقدمہ ابن خلدون ۲۰/۲۷

[3] " (انگریزی ترجمہ) : ۳۵

[4] الماوردی، الاحکام السلطانیہ ص ۵۵

شرطہ کے دو محکمے

۳۲۱ھ میں مصر میں الشرطہ کے دو محکمے وجود میں آگئے...

الف — الشرطہ السفلی

ب — الشرطۃ العلیا

جوہر صقلی نے مصر فتح کرنے کے بعد " الشرطہ العلیا " کو فوجی چھاؤنی سے منتقل کر کے قاہرہ میں اس کا مرکز بنا دیا۔ ابن وقاق نے بیان کیا ہے کہ جس روز جوہر مصر پہنچا اسی روز " صاحب الشرطہ " کا انتقال ہو گیا تو جوہر نے یہ فریضہ جبیر کے سپرد کیا۔ البتہ " دارالشرطۃ السفلی " اسی طرح فسطاط میں رہا اور یہ محکمہ عروۃ بن ابراہیم اور شبل معرضی کے سپرد ہوا۔

اندلس کا نظام شرطہ

اندلس میں شرطہ کا ادارہ پہلے ہی خاصی ترقی کر چکا تھا اور الشرطۃ الکبریٰ اور الشرطۃ الصغریٰ کے نام سے دو محکمے قائم ہو چکے تھے جب عبدالرحمٰن الناصر حکمران ہوا تو اس نے الشرطۃ الوسطیٰ کے نام سے ایک تیسرے محکمہ کی داغ بیل ڈالی جس کا فریضہ یہ مقرر ہوا کہ وہ متوسط طبقوں یعنی تاجروں اور کارخانے داروں اور قابل عزت پیشے والے اساتذہ اور اطباء وغیرہ کے معاملات کی نگرانی کرے۔ اپنے عہد میں عبدالرحمٰن الناصر نے یہ عہدہ سعید بن حدیر کے سپرد کیا تھا۔

المقری کہتے ہیں کہ اندلس میں صاحب الشرطہ کو " صاحب المدنیہ " اور صاحب اللیل " بھی کہا جاتا تھا۔ اور بعض ادوار میں اس کا مرتبہ اس قدر بلند ہو گیا کہ وہ بغیر

بادشاہ کی اجازت کے اس شخص کو قتل کروا سکتا تھا جس کا قتل لازم ہو چکا ہو۔ وہ زنا، مے نوشی، کی حدیں جاری کرتا اور بہت سے شرعی امور میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ صاحب الشرطہ کے ان اختیارات کا استعمال عادت بن چکا تھا اور انہیں قاضی (عدلیہ) کی رضامندی بھی حاصل تھی لیکن بہرحال عدلیہ کا مقام ان کی بہ نسبت زیادہ بلند اور قابل احترام تھا[1]

اندلس میں نظام عسس بھی موجود تھا جس کو دار بین کہا جاتا تھا اندلس کے شہروں میں گلیاں ہوتی تھیں جن کے دونوں طرف دروازے ہوتے۔ نماز عشاء کے وقت یہ دروازے بند کر دیے جاتے اور پولیس کا آدمی گلی کی حفاظت کرتا۔ اس کے ساتھ ہی ہر دروازے پر چراغ بھی جلا رہتا تھا۔

اندلس کا نظام اور مصارف

الشرطہ کا نظام بہت اہم انتظامی اداروں میں سے ایک تھا۔ اس ادارہ کا سربراہ کسی صاحب حیثیت اور مضبوط شخص کو مقرر کیا جاتا ہے۔ نظم و نسق کی حفاظت اور برائی پیشہ لوگوں اور فساد و بدانتظامی کرنے والوں کی نگرانی اس ادارہ کی ذمہ داری تھا ابن خلدون بیان کرتے ہیں کہ عباسی دور حکومت میں شرطہ کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ جرائم سے متعلق تحقیقات کرتا اور اس کی پوری تفتیش کرتا اور حدود کا نفاذ عمل میں لاتا اور قرائن اور حالات کی مناسبت سے جبر کر کے اقرار حاصل کرتا بغرض حدود اور فوجداری

---

[1] تاریخ الاسلام ۳۰۲/۲۶۴-۲۷۱

جرائم کی دیکھ بھال شرطہ کی ذمہ داریاں تھیں۔

صاحب الشرطہ کا مرکزی مقام دارالسلطنت ہوتا اور ہر شہر میں اس کا ایک نائب متعین ہوتا جس کی ذمہ داری ہوتی کہ امن و امان قائم رکھے۔ نظم و نسق بحال رکھے۔ اور قاضی اور محتسب کے کام میں انکی مدد کرے اور ان کے احکامات پر عمل درآمد کرائے رات کی چوکیداری کے فرائض انجام دے۔

حکومت شرطہ کے لوگوں پر بڑی توسع کے ساتھ صرف کرتی تھی۔ انہیں بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں۔ حتی کہ بغداد کے صاحب الشرطہ کی تنخواہ وہاں کے والی کے برابر ہوتی تھی۔ اور مرکزی حکومت میں دارالسلطنت کے نظم و نسق کی حفاظت کی ذمہ داری صاحب الشرطہ کی ہوتی تھیں۔ اولاً شرطہ قضاۃ کے تابع تھی اور اس وقت شرطہ کا کام مجرموں کو گرفتار کر کے ان پر حدود جاری کرنا اور قاضی کے فیصلوں کو نافذ کرنا ہوتا تھا لیکن بعد میں شرطہ کے ادارہ کو قضاۃ سے علیحدہ کر کے والی کے ماتحت کر دیا گیا اور ہر طرح کے جرائم کی تفتیش اس کی ذمہ داری قرار دیا گیا[1]

جو شہر اپنی اہمیت کے لحاظ سے کسی عامل یا خلیفہ کے نمائندہ کا مرکز قرار پاتا وہاں شرطہ کا بھی ایک دستہ مقرر کیا جاتا تھا۔ اور ان کے علاوہ وہ چھوٹے شہروں میں پولیس کی ایک جماعت ہوتی جس کا نام معونہ ہوتا اس کے افراد بھی وہی فرائض انجام دیتے جو شرطہ انجام دیتا تھا۔ اس کے سربراہ کو عام طور پر صاحب المعونہ اور مصر میں والی

---

[1] تاریخ الاسلام ۲۷۸/۳۔

الاحداث والمعاون کہتے تھے۔ اپنے ماتحت علاقے کی نگرانی وانتظام اور جرائم کی روک تھام کے لیے راتوں کو گشت لگاتے[1] جس شہر میں والی یا امیر کا قیام ہوتا وہاں قیام امن کی ذمہ داری صاحب الشرطہ کی ہوتی جب کہ دوسرے شہروں میں یہ فریضہ صاحب المعونۃ انجام دیتا تھا[2]

بہرحال جرائم کی تحقیقات کرنا الشرطہ کا اہم فریضہ تھا۔ اور عموماً مجرم کو سزا دینا بھی ان کے فرائض میں داخل ہوتا تھا۔ اس کا فیصلہ عادۃ جاریہ (عرف) کے مطابق ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں قاضی اور محتسب اپنے فیصلے شرع کے مطابق کرتے تھے۔ صاحب الشرطہ کا حلقہ اقتدار قاضی کے حلقہ اقتدار سے وسیع تر ہوتا تھا۔ اور ماتحت افسروں کی دی ہوئی اطلاع پر مظلوم کی فریاد کا انتظار کیے بغیر از خود تحقیقاتی کاروائی شروع کر سکتا تھا لیکن قاضی کو یہ اختیار نہ تھا۔ اور مشتبہ اشخاص کو قید کرنے اور ان سے اعتراف جرم کرانے کے لیے ان پر سختی کرنے کا بھی اختیار تھا۔ (اس کے باوجود کہ جبری اقبال واقرار شرعاً ناجائز ہے[3])۔ اس کے علاوہ وہ ذمی کی اور دیگر ایسے لوگوں کی شہادت بھی لے سکتا تھا جن کی شہادت محکمہ قضاۃ میں قابل سماعت نہیں ہے اسی طرح وہ ایسے مظالم کے خلاف بھی شکایتیں سن سکتا تھا جن کے لیے حدود موجود ہیں یا خاص سزا مقرر ہے جو لوگ صاحب الشرطہ کے عہدے پر مامور ہوتے تھے وہ اکثر

---

[1] الخطط المقریزیہ، ۲

[2] الحضارۃ الاسلامیہ، ۲۰/۲۷۹

[3] ابو یوسف (کتاب الخراج) ص ۱۰۷

اپنے ظلم اور بددیانتی کے لیے بدنام ہوتے تھے[1]

چوتھی صدی ہجری

چوتھی صدی ہجری میں علمائے شریعت شرطہ کے اعمال پر اثر انداز ہوئے اور انہوں نے شریعت کی روشنی میں "شرطہ" کے کردار کو منضبط کرنا چاہا۔ انکی مساعی کے نتیجہ میں خلیفہ مقتدر نے مین طولونی کو جو بغداد کا صاحب الشرطہ تھا، حکم دیا کہ فقہا کی مجالس میں لوگوں کی دادرسی کی جائے اور وہ ظلم وستم کے ہر معاملہ کی دیکھ بھال کریں اور اس کے بارے میں فتوٰی دیں۔ چنانچہ اس کام کے لیے فقہا مقرر ہوئے جو اصحاب الشرطہ کی کارکردگی کی نگرانی کرتے تھے تاکہ ان کا طرز عمل شریعت کے مطابق رہے۔

اسی طرح خلیفہ حاکم نے پولیس (شرطہ) کے نظام میں یہ اصلاح کی کہ ہر پولیس اسٹیشن پر دو عادل گواہ موجود رہیں اور جس مجرم کو کوئی سزا دی جائے وہ ان کی توثیق کے بعد دی جائے۔ بہرحال مذکورہ بالا دونوں اصلاحات زیادہ کامیاب نہیں ہوئیں[2]

۳۶۹ھ میں صاحب الشرطہ اور قاضی میں اختصاص (JURISDICTION) کا اختلاف پیدا ہوا۔ کیونکہ صاحب الشرطہ نے کوئی ایسا حکم دیا تھا جو اس کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا۔ قاضی نے اس کے حکم پر اعتراض کیا لیکن وزیر نے مداخلت

---

[1] اردو دائرہ معارف الاسلامیہ (زیر مادہ شرطہ)

[2] الحضارۃ الاسلامیہ (عربی ترجمہ) ۱/۲۲۸

کرتے ہوئے یہ کہا کہ دونوں محکموں کو ایک دوسرے پر اعتراض کا اختیار نہیں ہے۔ بہرحال چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک قاضی نے اصحاب الشرطہ کو شریعت کے معاملات میں بولنے سے منع کر دیا اور خلیفہ کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ آئندہ مظالم کے مقدمات کی سماعت بھی قاضی کے دائرہ اختیار میں ہوگی [1]

مکتفی باللہ کے زمانے کا ایک واقعہ

مکتفی باللہ کے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ چوروں نے بہت بڑی مالیت کا سامان چرایا جس کی رپورٹ خلیفہ کو بھی دی گئی۔ خلیفہ نے صاحب الشرطہ کو حکم دیا کہ کسی طرح چوروں کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ اس نے شب و روز اس واقعہ کی تحقیق کے لیے گشت شروع کی۔ گشت کے دوران اسکا ایک گلی سے گزر ہوا جو آگے سے بند تھی اور جس کے مقیم کچھ زیادہ خوشحال نہ تھے اور اس گلی میں مچھلیوں کے چھلکے بہت کثیر تعداد میں پڑے ہوئے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا اور پتہ کیا کہ یہ تقریباً ایک انبار مچھلیوں کے چھلکے ہو سکتے ہیں۔ اس پر اس کو شبہ ہوا اور اس نے اپنی پولیس کے دستہ میں سے ایک آدمی کو بھیجا کہ جاکر اس گلی کے حالات کی تحقیق کرے۔ اس نے جاکر ایک دروازہ کھٹکھٹایا جس میں سے ایک عورت باہر آئی۔ پولیس کے آدمی نے اس سے کہا کہ میں بہت پیاسا ہوں مجھے پانی پلائیں، وہ پانی پیتا جاتا تھا اور اس عورت سے ایسے سوالات کرتا تھا جس سے اس چوری کے واقعہ پر روشنی پڑے۔ اس

[1] الحضارة الاسلامیہ ۱/۲۲۸

عورت نے بیان کیا ہے سامنے کے گھر میں پانچ نوجوان تاجر آکر ٹھہرے ہوئے ہیں جو دن کو سارا دن گھر میں رہتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور شطرنج کھیلتے ہیں اور رات کو کرکھ میں موجود اپنے مکان میں چلے جاتے ہیں۔ اس پر صاحب الشرطہ کو یقین ہو گیا کہ وہی چور ہیں، چنانچہ اس نے پولیس کا دستہ مکان کے گرد و پیش میں چھپا دیا اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اچانک ان کو گرفتار کر لیا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہی چور تھے جنھوں نے بہت سارا مال چرایا تھا [1]

[1] الطرق الحکمیہ، ص ۴۴-۴۵

نظامِ مظالم

"ظلم" ایک ناپسندیدہ فعل ہے، اور ایک ایسا وصف ہے جس سے طبیعت سلیمہ ابا کرتی ہے اور فطرت مستقیم انکار کرتی ہے۔

"ظلم" کے لغوی معنی ہیں۔

"وضع الشئی فی غیر محلہ"

(اصلاً اور بطور استحقاق جہاں سے جس شئے اور جس امر کو ہونا چاہیئے، وہاں سے اسے ہٹا دینا ظلم ہے)

غرض ظلم کی اصل زیادتی، ناانصافی اور حد سے گزر جانا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"ان الشرک لظلم عظیم"

روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعودؓ اور سلمان نے بیان کیا کہ ظلم سے مراد "المیل عن القصد" درمیانی راہ سے ہٹ جانا ہے۔

وضو کے بارے میں وارد حدیث میں ہے کہ:

"فمن زاد او نقص فقد اساء وظلم

(یعنی جس نے اضافہ کیا یا کمی اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا۔)

بُرا اس لیئے کہ سنت کو ترک کیا اور شریعت کے مقرر کردہ آداب کو ملحوظ نہیں رکھا اور ظلم اس بنا پر ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو مسنون عمل کے ثواب سے محروم

کر لیا۔

الماوردی نے ظلم کے شرعی معنی ان الفاظ میں بیان کیئے ہیں۔

"وفی الشریعة عبارة عن التعدی عن الحق الی الباطل وهو الجور وقيل هو التصرف فی ملک الغیر ومجاوزة الحد" (۱)

ظلم کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ ناانصافی کے ساتھ حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرے اور زیادتی کرے۔ کسی نے کہا ہے کہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف اور حد سے تجاوز ظلم ہے۔)

مظالم مظلمة کی جمع ہے۔ مظلمہ وہ حق ہے جو کسی کا کسی ظالم کے پاس ہو اور وہ اس کے حصول کا مطالبہ کر رہا ہوں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:

"تظلم فلان الی الحاکم من فلان فظلمه تظليما ای انصفه من ظالمه واعانه علیه" (۲)

(یعنی اس نے حاکم کے پاس ظلم کی شکایت کی اور حاکم نے اسے اس کے ظالم سے انصاف دلوایا اور ظالم کے خلاف اس کی مدد کی۔

اصطلاحی تعریف

الماوردی اور ابو یعلی نے "مظالم" کی یہ تعریف کی ہے

۱؎ محمد علی تھانوی: اصطلاحات الفنون۔ مادہ ظلم۔

۲؎ لسان العرب: مادہ ظلم۔

"نظر المظالم هو قود المتظالمين الى التناصف بالرهبة وزجر المتنازعين من التجاحد بالهيبة" (۱)

(ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی اور ظلم کرنے والے ہر دو فریق کو جبر اور دبدبے کے ساتھ انصاف کے لیئے پیش کیا جائے اور جھگڑے کے فریقوں کو حکومت کے دبدبہ کے ذریعہ انکار اور گریز سے باز رکھا جائے۔

محمد سلام مدکور نے مظالم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"هي سلطة قضائية اعلى من سلطة القاضي والمحتسب فهي تنظر من المنازعات مالا ينظره القاضي، بل هي تنظر ظلامة الناس منه، فهي وظيفه ممتزجة من سطوة السلطانيه ونصفة القضاء، وهي في اصل وضعها داخلة في القضاء، ويسمى متوليها صاحب المظالم، وينظروا اليها ظلامات الناس من الولاة والجباة والحكام او من ابناء الخلفاء او الامراء او القضاة۔ (۲)

یہ ایک عدالتی اختیار ہے جو ایک درجہ میں قاضی اور محتسب کے اختیار سے بالاتر ہے۔ (والی مظالم) لوگوں کے ظلم اور نا انصافیوں کا جائزہ لیتا ہے اور

۱؎ الماوردی - الاحکام السلطانیہ الباب السابع : ص ۷۷، مصر الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۳ء ابو یعلی الاحکام السلطانیہ الطبعۃ الثالثۃ ص ۷۳ ۱۹۷۴ء

۲؎ محمد فاروق النبہان - نظام الحکم فی الاسلام، ص ۶۶۷ - طبع جامعۃ الکویت

ایسے منازعات کا بھی جائزہ لیتا ہے جس کا قاضی جائزہ نہیں لے سکتا۔ دراصل یہ قضا اور حکومت دونوں کا مرکب منصب ہے۔ اگرچہ یہ اپنی ساخت کے لحاظ سے قضا ہی میں داخل ہے۔ بہرحال اس کے متولی کو "صاحب المظالم" کہا جاتا ہے، جو والیوں، ٹیکس وصول کنندگان، حکام، اور خلفاء، یا امراء یا قاضیوں کے متعلقین اور ان کی اولاد کی جانب سے ہونے والی نا انصافیوں کا جائزہ لیتا ہے اور ان کا تدارک کرتا ہے۔

شیخ محمد ابوزہرہ کہتے ہیں کہ:

"ولاية المظالم كولاية القضاء، وكولاية الحرب، وكولاية الحسبة، جزء مما يتولاه ولي الامر الاعظم، ويقيم فيه نائبا عنه ممن يكون فيه الكفاية والهمة لادائه، ويسمى المتولى لامر المظالم ناظرا ولا يسمى قاضيا، وان كان له مثل سلطان القضاء ومثل اجراءاته في كثير من الاحوال، ولكن عمله ليس قضائيا خالصا، بل هو قضائي وتنفيذي، فقد يعالج الامور الواضحة بالتنفيذ او بالصلح او بالعمل الخيري يرد به لصاحب الحق حقه، فهو قضاء احيانا وتنفيذ اداري أحيانا اخرى" (۱)

۱؎ نظام الحکم فی الاسلام ص ۶۶۷، سلیمان الطماوی: السلطات الثلاث ص ۴۴۸، الطبعۃ الرابعۃ۔ القاہرہ ۱۹۷۹ء

(ولایت مظالم اسی طرح ہے جیسے ولایت قضاء، ولایت حرب اور ولایت حسبہ، یہ ولائیت بھی امرعظیم (سربراہ حکومت کا منصب) کا ایک حصہ ہے، اور وہ اس معاملہ میں ایسا شخص اپنا نائب مقرر کرے گا جو باصلاحیت اور باہمت ہو۔ امر مظالم کے متولی کو قاضی نہیں کہا جاتا بلکہ "ناظر" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا اختیار قضاء کے اختیار کی طرح ہے اور اس کے اکثر اقدامات بھی قضاء جیسے ہوتے ہیں مگر پھر بھی اس کا عمل خالص قضائی (عدالتی) نہیں ہے، بلکہ اس کا عمل قضا اور تنفیذ سے ملا ہوا ہے۔ وہ بیشتر واضح امور کو نافذ کراتا، یا مصالحت یا رفاہی عمل کے ذریعہ صاحب حق کو اس کا حق دلواتا ہے جو کبھی قضائی (عدالتی) معاملہ ہوتا ہے اور کبھی انتظامی۔

پروفیسر سلیمان محمد طماوی ولایت مظالم کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"نشات هذه الولاية تدريجيا، وفيها من خصائص القضاء والتنفيذ معا: فوالى المظالم قد يعرض لختم المنازعات التى يعجز عن نظرها القضاء وقد ينظر فى الاحكام التى لا يقتنع الخصوم بعد التها، ولكن السبب الاصيل لنشاة هذا النظام، هو بسط سلطان القانون على كبار الولاة و رجال الدولة عن قد يعجز القضاء عن اخضاعهم لحكم القانون"[1]

(یہ ادارہ تدریجاً وجود میں آیا ہے۔ اس میں قضاء اور تنفیذ کی ملی جلی خصوصیات

[1] السلطات الثلاث ص ۴۴۷، نظام الحکم فی الاسلام ۲۶۶-

موجود ہیں چنانچہ والئ مظالم بسا اوقات ان منازعات کا بھی سدباب کرتا ہے جن پر غور سے قضاء عاجز ہوتی ہے اور بعض اوقات ان فیصلوں کی بھی جانچ پڑتال کرتا ہے جن میں انصاف کی تعمیل سے فریق نزاع مطمئن نہ ہوں۔ اس نظام کی تشکیل کا اصل مقصود ایسے بڑے بڑے حکمرانوں اور حکومت کے عہدے داروں تک کو قانون کی بالادستی کے تحت لے آنا ہے جن کو تابع قانون کرنے سے قضاء عاجز ہو۔

سنت نبوی سے رفع مظالم کا ثبوت

اللہ سبحانہ نے انسان کی ساخت اور سرشت میں نیکی اور بدی کا شعور پیوست کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹ، چوری اور ظلم جیسی بعض برائیاں ایسی ہیں جن سے انسان طبعاً متنفر ہوتا ہے اور ان کے تدارک اور استیصال کی سعی کرتا ہے۔

اسلام سے قبل اہل عرب میں جہاں ظلم و ستم اور جور و تعدی عام تھا وہاں بیشتر اوقات بعض حساس قلب اس صورت حال پر رنجیدہ بھی ہوا کرتے تھے اور اس کے سدباب کی عملی سعی و تدبیر بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت طیبہ سے بیس سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۵ برس تھی[1]۔ یہ ایک معاہدہ ہے جو تاریخ میں "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے اور عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہوا تھا۔ جس میں سرداران

[1] الماوردی الاحکام السلطانیہ ۱۷

قریش نے قسمیں کھائی تھیں کہ آئندہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر زیادتی نہیں کرے گا[1] اور جو مظلوم شخص مکہ کی سرزمین میں داخل ہوگا وہ اس کی مدد کریں گے[2] عبداللہ بن جدعان بہت سخی تھا، بہت کثرت سے لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا حتیٰ کہ اس کی یہ کرم نوازیاں جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر شام تک پہنچ گئی تھیں۔[3]

یہ معاہدہ حرب فجار کے چار ماہ بعد ہوا تھا اور عرب کا سب سے معزز مکرم اور قابل احترام معاہدہ تھا۔[4] یہی وجہ ہے کہ قریش نے اس واقعہ کو تاریخ بنالیا تھا۔[5]

ایک طرف عرب کے سنجیدہ لوگ لوٹ مار کے واقعات سے پریشان تھے، اور دوسری جانب حرب فجار کا اثر باقی تھا کہ زبیر بن عبدالمطلب نے سرداران قریش کو اس طرح کا ایک عہد کرنے کی دعوت دی۔ اور اس کا فوری سبب یہ بنا کہ یمن کے علاقے زبید سے ایک شخص سامان تجارت لے کر آیا جو عاص بن وائل نے خرید لیا۔ لیکن بعد میں نہ قیمت ادا کی اور نہ سامان واپس کیا۔ اس نے اس زیادتی اور ظلم کی قبائل عرب سے شکایت کی مگر انہوں نے شکایت دور کرنے

---

[1] ابن الاثیر البدایۃ والنہایہ ۲/۲۹۱، بیروت ۱۹۷۸ء۔
[2] عبدالملک بن ہشام۔ سیرۃ النبی ۱/۱۴۵۔ تحقیق محی الدین عبدالحمید، طبع دار الفکر۔
[3] علی بن برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، ۱/۲۱۱، بیروت ۱۹۸۰ء۔
[4] البدایہ المفصل فی ۲/۲۹۱۔
[5] جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام ۸، بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۹۷۸ء

کے بجائے الٹا اسے ڈرایا اور دھمکایا اس پر یہ زبیدی شخص طلوع شمس کے وقت ابو قبیس پہاڑی پر چڑھ گیا۔ قریش کے لوگ کعبہ کے گرد اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے۔[1]

یاآل قصی لمظلوم بضاعتہ — ببطن مکۃ نائی الدار والنفر
واشعث محرم لم تقض حرمتہ — بین المقام وبین الحجر
اقائم من بنی سہم بذمتہم — اوذاھب فی ضلال مال معتمر

اے آل قصی اس مظلوم کی امداد کرو جس کا مال مکہ میں ہے وہ اپنے گھر اور رشتہ داروں سے بہت دور ہے مقام ابراہیم اور حجر اسود اور حرم کے درمیان بغیر احرام کھولے پراگندہ حال کھڑا ہے۔ کیا بنی سہم میں سے کوئی شخص اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگا؟ یا ایک عمرہ کرنے والے کا مال یونہی برباد جائیگا

اس کے بعد ایک اور واقعہ ہوا۔ قیس بن شیبہ سلمی نے اپنا مال ابی بن خلف کے ہاتھ فروخت کیا وہ مال دبا بیٹھا اور قیمت دینے سے انکار کر دیا اس نے بنی جمع کے ایک شخص سے اعانت چاہی۔ اس نے اعانت نہ کی تو قیس نے یہ شعر کہا (بحر رجز)

یاآل قصی کیف ھذا فی الحرم — وحرمۃ البیت واخلاق الکرم
اظلم لا یمنع عنی من ظلم

اے آل قصی حرم اور بیت محترم اور شرافت کے حلیفوں میں یہ کیا بات ہے

---

[1] البدایۃ ۲/۲۹۱

کہ مجھ پر ظلم ہوا اور کوئی ظالم کی خبر نہ لے۔

ان کان جارک لم ینفعک ذمتہ — وقد شربت بکاس الذل انفاسا

فات البیوت وکن من اھلھا صددا — لاتلق تادیبھم فحشا ولا باسا

ومن یکن بفناء البیت معتصما — یلق ابن حرب ویلق المرء عباسا

قومی قریش باخلاق مکملۃ — بالمجد والحزم ماعشا وماساسا

ساقی الحجیج وھذا اناش فلج — والمجد یورث اخماسا واسداسا

(اگر پڑوسی کا عہد تیرے لیئے نافع نہ ہوا، اگر تجھے ذلت کے گھونٹ پینے پڑے تو ان گھر والوں کو دیکھ جن کو معاشرت میں تو بد کلامی یا خوف نہ پائے گا جو شخص بیت اللہ کے صحن میں اگر سہارا ڈھونڈے گا۔ اس کو ابن حرب اور عباس جیسا مرد ملے گا۔ میری قوم قریش خصائل حمیدہ سے مکمل ہے جیتے جی اور جب تک سرداری کرے گی۔ شرافت اور احتیاط سے کام لینے والی ہے حاجیوں کی ساقی ہے اور یہ ایک مشہور عزت ہے۔ شرافت کسی کو میراث میں پانچواں حصہ ملتی ہے کبھی چھٹا۔

ابو سفیان اور عباس بن عبدالمطلب نے کوشش کر کے اس کا مال واپس دلا دیا۔[1]

اس واقعہ کے بعد بنو ہاشم بنو زہرہ اور بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور انہوں نے عہد کیا کہ مکہ کے مظلوموں کی دادرسی کریں گے، کمزوروں

[1] الماوردی الاحکام السلطانیہ، ص ۷۸، ۷۹

اور مسکینوں کی مدد کریں گے اور ان کے حقوق کی حفاظت کریں گے اور جو شخص کسی کا مال لے لے گا تو اس کا مال واپس دلوائیں گے۔[1]

چونکہ یہ دادرسی، انصاف کی فراہمی، عدل گستری اور اصلاح احوال کی عملی صورت تھی، اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خوشی اور مسرت کے ساتھ شرکت فرمائی، اور بعد میں بھی آپ اس کا ذکر فرما کر کہتے کہ

"لقد شھدت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلف الفضول

مالو دعیت الیہ لاجیب وما احب ان لی بہ حمر النعم" (۲)

میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف الفضول کے معاہدے میں شریک ہوا تھا۔ (یہ ایسا عہد تھا کہ) اگر مجھے اب بھی اس کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں اور اسے بدلے میں سرخ اونٹ بھی لینا پسند نہ کروں

حلف الفضول کے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شرکت فرمائی تھی، مگر نبوت کے بعد آپ نے اس کا ستائشی الفاظ میں ذکر فرمایا اس لئے اس واقعہ کو تشریعی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی صحابہ کرام کے درمیان فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ اسوقت

[1،2] تاریخ العرب قبل الاسلام ۴/ ۸۶، ۸۷، ابن سعد الطبقات الکبری ۱/ ۱۲۷، بیروت

۳

مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے پر اعتداء اور ظلم کا تصور تک نہ تھا۔ زندگی سادہ تھی اور مسلمانوں میں معاشرتی اور قانونی مساوات تھی اور ان کی زندگیوں میں باہم کوئی فرق نہیں تھا۔ اس لیئے منظم صورت میں "ولایت مظالم" وجود میں نہیں آئی تھی۔ صحابہ کرام ہر طرح کے فیصلوں کے لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اگر کہیں پر کوئی زیادتی ہوتی تھی تو آپ اس کا تدارک فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "رفع مظالم" کے سلسلے میں متعدد مواقع پر زبانی بھی تلقین فرمائی اور عملاً بھی ظلم کا سدباب کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛

"انصر اخاك ظالما او مظلوما قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا ننصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالما قال تاخذ فوق یدیہ" [۱]

(اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کی مدد کرنا تو درست مگر ہم ظالم کی کس طرح مدد کریں، آپ نے فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو)

رفع مظالم کی ایک واضح مثال عبداللہ بن زبیر کا واقعہ ہے جو ہم یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

"عن عبد اللہ بن الزبیر انہ حدثہ ان رجلاً من الانصار خاصم الزبیر عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شراج الحرۃ التی یسقون بھا النخل فقال الانصاری

شرح الماء یمر فابی علیہ فاختصما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للزبیر اسق یا زبیر ثم ارسل الماء الی جارک فغضب الانصاری فقال ان کان ابن عمتک فتلون وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر فقال الزبیر واللہ انی لاحسب ھذہ الایۃ نزلت فی ذالک فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم [۲]"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زبیر بن عوام سے حرہ کی ندی میں جھگڑا کیا۔ جس کا پانی (مدینہ کے لوگ) کھجور کے درختوں کو دیا کرتے تھے۔ انصاری (زبیر سے) کہنے لگے پانی کو بہنے دو (روکتے کیوں ہو) زبیر نے نہ مانا پھر دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے زبیر سے فرمایا اے زبیر اپنے درختوں کو پانی پلالے۔ پھر اپنے ہمسایہ کی زمین میں پانی چھوڑ دے۔ یہ سن کر انصاری غصے ہوا کہنے لگا کیوں نہیں، زبیر آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں نا۔ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، فرمایا اے زبیر

---

[۱] صحیح البخاری بحاشیہ السندی، المساقاۃ، باب شرب الاعلی الی الکعبین، ۲/۲ ۵ ، بیروت۔

سنن ابی داود، الاقضیۃ، ابواب من القضاء، ۲/۲۳ ، بیروت۔ سنن النسائی بشرح السیوطی، الاقضیۃ، الرخصۃ للحاکم الامین، ۸/ ۲۳۸، الطبعۃ الاولی، ۱۹۳۰ء بیروت، مسند احمد بن حنبل ۴/ ۵ ۔ طبع بیروت

سنن ابن ماجہ، مقدمہ ص ۳، طبع کراچی۔

اپنے درختوں کو پانی پلا، پھر روکے رکھ، یہاں تک کہ منڈیروں تک بھر آئے زبیر نے کہا قسم خدا کی میں سمجھتا ہوں۔ (سورہ نساء) کی یہ آیت "قسم تیرے مالک کی" ان کا ایمان پورا نہ ہوگا جب تک اپنے جھگڑوں میں تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں۔ اسی بارہ میں نازل ہوئی۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ اہتمام فرمایا کہ اگر کسی پر کسی نے کوئی زیادتی کی ہے تو اس کی تلافی کر دی جائے بلکہ متعدد مواقع پر سرکار دو عالم نے اپنی ذات اطہر کو بدلہ کے لیے پیش فرمایا۔ اس سلسلے کے کئی روح پرور اور ایمان افروز واقعات عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں "باب قود النبی من نفسہ"[1] میں بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بعض واقعات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

"عن ابي سعيد الخدری قال خرج رسول الله صلی الله عليه وسلم من منزلة يريد الصلاة، فاخذ رجل بزمام ناقة، قال حاجتی يارسول الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم دعني فستدرك حاجتك ففعل ذالك ثلاث مرات والرجل يابى، فرفع النبی صلی الله عليه وسلم عليه السوط فضربه، وقال دعنی ستدرك حاجتك، فصلی بالناس، فلما فرغ قال أين الرجل الذی جلدت انفا؟ قال، فنظر الناس بعضهم الی بعض وقالوا من هذا الذی جلده رسول الله صلی الله عليه وسلم

[1] مصنف عبدالرزاق ۹/۶۵-۷۰۔

فجاء الرجل من آخر الصفوف، فقال اعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله فقال له النبی صلی الله عليه وسلم ادن فاقتص فرمی اليه بالسوط، قال بل اعفو، قال اوتعفو فقال انی قد عفوت، فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم والذی نفسی بيده لايظلم مؤمن مومنا، فلا يعطيه مظلمة فی الدنيا الا انتقم الله له منه يوم القيامة. قال فقال ابوذر يانبی الله اتذكر ليلة كنت أقود بک الراحلة فاذا قد تها ابطات، واذا سقتها اعترضت، وانت ناعس عليها، فخفقت رأسک بالمخفقة، وقلت اليک اياک القوم قال نعم قال فاستقد منی يارسول الله صلی الله عليه وسلم قال بل اعفو قال بل استقد منی احب الی قال فضربه النبی صلی الله عليه وسلم ضربة بالسوط رايته يتصور منها"

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ سے نماز کے لیے باہر تشریف لائے، ایک شخص نے آپ کی ناقہ کی زمام پکڑ لی، اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ایک حاجت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت مجھے چھوڑ دو تمہاری ضرورت پوری کر دی جائے گی۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی مگر وہ شخص نہ مانا۔ آپ نے اپنا کوڑا اٹھایا اور اسے مار دیا اور فرمایا مجھے چھوڑ دو تمہاری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ نے استفسار فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے جسے میں نے ابھی کوڑا مارا تھا۔ اس پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے کہ وہ کون صاحب ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کوڑا مارا تھا وہ شخص صفوں کے آخر میں سے آیا اور اس نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو قریب آجاؤ اور اپنا بدلہ لے لو۔ اور آپ نے اپنا کوڑا اس کی طرف پھینک دیا۔ اس نے کہا کہ جی نہیں۔ میں نے معاف کیا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم معاف کر دوگے؟ اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ وہ دوسرے اہل ایمان پر کوئی زیادتی کرے اور پھر دنیا ہی میں اپنی اس زیادتی کی تلافی نہ کرے۔ الا یہ کہ اللہ ضرور روز قیامت اس سے اس کا بدلہ لے گا۔ اس پر حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ کیا آپ کو وہ شب یاد ہے جب میں آپ کی سواری لے کر جا رہا تھا جب میں اس کو کھینچتا تھا تو وہ رک جاتی تھی اور جب میں اسے پانی پلانا چاہتا تھا تو وہ پانی نہیں پیتی تھی۔ اور آپ اس پر نیم خوابیدہ حالت میں تشریف فرما تھے میں نے آپ کے سر کو چھڑی سے چھو کر کہا تھا کہ آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں۔ آپ نے فرمایا ہاں، اس پر ابوذر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیجیئے پھر آپ مجھ سے بدلہ لیجیئے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں میں معاف کرتا ہوں۔ ابوذر نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے بدلہ لیں یہی مجھے پسند ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل ناخواستہ حضرت ابوذر کو کوڑا مارا۔

"عن الحسن ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رجلاً تضبأً بصفرۃ، وفی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم جریدۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حط ورس، قال فطعن بالجریدۃ فی بطن الرجل، وقال الم انھک عن ھذا؟ قال فاثر فی بطنہ وما ادماھا، فقال الرجل القود یارسول اللہ فقال الناس امن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقتص؟ فقال ما بشرۃ أحد فضل اللہ علی بشرتی، قال فکشف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بطنہ، ثم قال اقتص، فقبل (الرجل بطن) النبی صلی اللہ علیہ وسلم. وقال ادعھا لک تشفع لی (بھا) یوم القیامۃ۔"

(حضرت حسن سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے صفرہ (پیلا) خضاب لگایا ہوا تھا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ تھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ یہ ورس (پیلا رنگ) ہٹا دو اور آپ نے وہ شاخ اسکے پیٹ میں چبھو دی جس سے اسکے پیٹ پر نشان پڑ گیا مگر خون نہیں نکلا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ بدلہ۔ لوگوں نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے بھی بدلہ لوگے۔ اس پر اس نے کہا کہ اللہ نے کسی بھی شخص کی جلد کو میری جلد پر فضیلت نہیں دی ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بطن مبارک کھول دیا۔ اور فرمایا کہ لو بدلہ لے لو۔ اس پر اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک کا بوسہ لے لیا اور کہا کہ میں یہ آپ کیلئے چھوڑتا ہوں کہ روز قیامت یہ میری شفاعت کرے۔

"حدثنا حفص ابن میسرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوما عاصباً راسہ بعصابۃ حمراء، متکئا۔ او قال، معتمداً۔ علی الفضل ابن عباس فقال الصلاۃ جامعۃ فاجتمع الناس فصعد المنبر وقال احمد الیکم اللہ الذی لا الہ الا ھو، وقد دنا منی حقوق من بین اظہر کم فمن شتمت لہ عرضاً فھذا عرضی فلیستقد منہ، ومن اخذت لہ مالا فھذا مالی فلیأخذ منہ، ولا یقولن احدکم انی اتخوف الشحناء من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وانھا لیست من طبیعتی ولا من خلقی وان احبکم الی من اخذ حقا ان کان لہ او حللنی، فلقیت ربی وانا طیب النفس فقام رجل فقال انا اسالک ثلاثۃ دراھم فقال من این؟ قال اسلفتکم یوم کذا فامر الفضل بن عباس ان یقضیھا ایاہ:"

(حفص بن میسرۃ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے سر پر سرخ پٹی باندھی ہوئی تھی اور فضل ابن عباس کا سہارا لیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا، نماز تیار ہے، لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ممبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے اس ذات واحد کی ستائش بیان کرتا ہو جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے درمیان رہ کر مجھ سے کچھ حقوق متعلق ہو گئے ہوں گے۔ اگر میں نے کبھی کسی کی عزت و ناموس پر کوئی حرف زنی کی ہو تو وہ میری عزت و ناموس سے اپنا بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کی پشت پر ضرب لگائی ہو تو وہ میری پشت پر ضرب لگا کر اپنا بدلہ لے لے اور جس کسی سے میں نے کوئی مال لیا ہو میرا مال حاضر ہے وہ اس میں سے لے لے۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے ڈرتا ہوں۔ سمجھ لو کہ یہ میرا مزاج نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرا اخلاق ہے۔ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب شخص وہی ہوگا جو مجھ سے اگر کوئی اس کا حق ہو تو وہ لے لے یا مجھے وہ حق معاف کر دے۔ تاکہ جب میں اپنے رب سے ملاقات کروں تو میں خوش دلی کے ساتھ ملاقات کروں۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں آپ سے تین درہم مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟۔ اس نے کہا کہ میں نے فلاں وقت قرض دیئے تھے۔ اس پر آپ نے فضل بن عباس کو حکم دیا کہ وہ اسے ادا کر دیں۔)

ولایت مظالم کے اختیارات

الماوردی اور ابو یعلی نے والی مظالم کے اختیارات کے ضمن میں دس امور بیان کیئے ہیں لہ۔

۱۔ والی مظالم ان تمام معاملات کا جائزہ لے سکتا ہے جن میں کسی والی یا حاکم نے رعایا کے کسی فرد پر کوئی تعدی یا زیادتی کی ہو یا سرکاری معاملات میں ناروا سختی کی ہو۔

ان مظالم، ناانصافیوں اور زیادتیوں کی تلافی کے لیئے ضروری نہیں ہے کہ جس پر زیادتی ہو وہی اس امر کا مرافعہ کرے بلکہ والی مظالم خود ان امور پر نظر رکھے گا اور جہاں کہیں بھی وہ اس قسم کی ناانصافی پائے وہ اس کی تلافی کرے اور اس کا سدباب کرے۔

اس میں فقہی نکتہ یہ ہے کہ درحقیقت خلیفہ (یا سربراہ حکومت) مملکت کے تمام معاملات اور عوام کے تمام مسائل کے بارے میں ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ اس مسئولیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود مملکت کے تمام افراد کے معاملات کی نگرانی کرے اور عمال حکومت جو فرائض انجام دے رہے ہیں پر پوری نظر

لہ الاحکام السلطانیہ، للماوردی ص ۸۰، ۸۳ - الاحکام السلطانیہ، لابی یعلی ص ۷۶، ۷۸۔

نظام الحکم فی الاسلام ص ۶۶۱، ۶۶۶ - السلطات الثلاث ص ۴۵۲، ۴۵۴ -

ادب القاضی: ص ۷۰۵، ۷۱۰۔

رکھے اور بڑی جزرسی اور تحقیق کے ساتھ ان کا حساب لے تاکہ اگر کہیں ظلم واقع ہو رہا ہو تو اس کا تدارک کیا جائے۔

۲۔ محصول اور مالی واجبات کی وصول یابی میں ناانصافیوں کا ازالہ ـــــ اس سلسلے میں والی مظالم شریعت کے اصول انصاف کے پیش نظر ایسے عمال پر گرفت کرے جنہوں نے مقررہ واجبات سے زائد کچھ وصول کیا ہو یا اس میں کوئی ناانصافی کی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مالی واجبات میں ناانصافی بدترین ناانصافی ہے اور اس کا فوری تدارک ہونا چاہیئے۔ اس لیئے کہ جہاں تک شرعی مالی واجبات مثلاً زکوٰۃ و عشر وغیرہ کا تعلق ہے تو شریعت نے اس کی مقداریں متعین کر دی ہیں صاف ظاہر ہے کہ ان میں رد و بدل کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ شرعی واجبات کے علاوہ حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے وہ بھی منصفانہ ہونے چاہئیں۔ اور ایسے ہونے چاہئیں کہ دہندگان انہیں بآسانی اور بہ سہولت ادا کر سکیں۔ ٹیکسوں کی مقدار اور انواع میں ناروا اضافہ بجائے خود ایک ظلم ہے۔

رجسٹروں میں داخل یا خارج کرنے والے منشی عام مسلمانوں کی جائیدادوں کے امین ہوتے ہیں ان کی کارروائیوں کی نگرانی رکھے، اگر داخل خارج کرنے میں حق کے برخلاف کوئی کمی بیشی ہو تو اس کو درست کر دے۔ اور ایسا کرنے والوں کو سزا دے۔ کہتے ہیں کہ منصور کو اطلاع ملی کہ چند منشیوں نے رجسٹروں میں تغیر و تبدیل کیا ہے۔ اس نے انہیں حاضر کرنے کا حکم دیا اور سزا دلوائی۔

ایک نوجوان نے پٹتے ہوئے یہ شعر پڑھے۔

اطال اللہ عمرک فی صلاح　　وعزاً یا امیر المومنینا

بعفوک نستجیر فان تجرنا　　فانک عصمة للعالمینا

ونحن الکاتبون وقد اسانا　　فہبنا للکرام الکاتبینا

(اے امیرالمومنین اللہ تعالیٰ آپ کی عمر صلاح و عزت کے ساتھ دراز فرمائے ہم آپ کی معافی کی پناہ چاہتے ہیں اگر آپ نے پناہ دے دی تو یہ آپ کی شایان شان ہے کہ آپ دنیا کے لئے پناہ ہیں۔ ہم کاتب اور قصوروار ہیں۔ لہٰذا ہمیں کراماً کاتبین کے حوالے کر دیجئے۔)

یہ سن کر منصور نے ان کو چھوڑ دیا اور وہ نوجوان چونکہ بے قصور، امانت دار اور شریف بھی تھا، اس پر بہت کچھ کرم و احسان کیا۔

مذکورہ بالا تین قسموں میں مستغیث کا حاضر ہونا ضروری نہیں، خود حاکم کو نگرانی اور اصلاح کرنی چاہیئے۔

۴۔ تنخواہیں تقسیم کرنے والوں کی تعدی مثلاً کم دینا یا دیر سے دینا۔ والی مظالم کو چاہیئے کہ تنخواہوں کے رجسٹر کا معائنہ کرکے اس کے مطابق تنخواہیں جاری کر دے۔ جس قدر تنخواہیں کم دی گئی ہوں یا بالکل نہ دی گئی ہوں۔ اگر حکام بالا نے دبالی ہوں تو ان سے لے کر ورنہ بیت المال سے مستحقین کو دلائے۔

ایک فوجی افسر نے مامون کی خدمت میں لکھا کہ فوجی سپاہی آپس میں لڑتے اور ادھر اُدھر لوٹ مار کرتے پھرتے ہیں مامون نے جواب لکھا اگر تم انصاف کرتے اور تنخواہیں پوری پوری تقسیم کرتے تو نہ آپس میں لڑتے اور نہ

لوٹ مار کرتے۔ اس نے اس افسر کو معزول کر دیا اور سپاہیوں کی تنخواہیں باقاعدہ جاری کرا دیں۔

۵۔ غصب شدہ اموال کو واپس کرانا۔

غصب کی دو صورتیں ہیں:۔

الف صاحبان اقتدار کا غصب، کہ حاکم اور صاحب اقتدار کسی شخص پر ظلم و زیادتی کرکے یا انتقام لیتے ہوئے اس کی کوئی ملکیت غصب کرلے اس صورت میں والی مظالم کا فرض ہے کہ وہ اس مغصوبہ چیز کو واپس کرائے، خواہ جس پر یہ زیادتی ہوئی ہو وہ شکایت کرے یا نہ کرے۔

ب۔ انفرادی طور پر کسی شخص کا کسی کی کوئی شئے غصب کر لینا، اور معاشرے کے صاحب اثر و نفرذ افراد کا لوگوں کی ملکیتیں دبا لینا اس صورت میں والی مظالم اس غصب کو اس صورت میں واپس دلا سکتا ہے جب حسب ذیل چار طریقوں میں سے کسی طریقہ پر غصب ثابت ہو جائے۔

۱　غاصب خود اعتراف کرلے۔

۲　والی مظالم کو اس غصب کا علم ہو جائے۔

۳　ثبوت اور گواہ فراہم ہو جائیں۔

۴　یا یہ خبر کہ فلاں غاصب نے فلاں شخص کی کوئی ملکیت غصب کر لی ہے عام اور مشہور ہو جائے۔

۶۔ وقف املاک کی نگرانی اور ان کے دائرے میں سرزد ہونے والی ناانصافیوں کی تلافی۔

وقف کی دو صورتیں ہیں ۔

الف: ” وقف عام “ وقف عام میں اگر کوئی ناانصافی اور زیادتی ہوئی ہو تو والی مظالم اس کا تدارک کرے ۔ اور اس کے لیئے ضرورت نہیں ہے کہ کوئی مظلوم اس کی فریاد کرے ۔ بلکہ خود والی مظالم اس ناانصافی کا سدباب کرے ۔ اور اگر واقف کی شرائط وقف میں ردوبدل ہوگیا ہے تو از سر نو اس وقف کو واقف کی شرائط کے مطابق بنادے ۔

ب۔ ” وقف خاص “ وقف خاص کی صورت میں والی مظالم اس وقت کسی ناانصافی کی تلافی کرے جب کوئی مظلوم اس کی فریاد کرے اور ظلم کے ثبوت کیلئے گواہ پیش کرے ۔

۷۔ جن معاملات میں قاضی فیصلہ نہ کرسکتا ہو یا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوسکتا ہو خواہ اس کی وجہ متعلقہ عدالت (قاضی) کی کمزوری ہو یا اس کی وجہ مدعی علیہ کا ایسا صاحب اقتدار و قوت ہونا ہو کہ اس کے خلاف فیصلہ کرنا دشوار ہوجائے یا فیصلہ ہو جانے کی صورت میں اس کا نفاذ دشوار ہوجائے ۔ ایسی صورت میں بھی والی مظالم اس ناانصافی کی تلافی کرے گا ۔

۸۔ محکمۂ احتساب اگر اپنے متعلقہ فرائض (مثلاً نامشروع افعال کی کھلم کھلا خلاف ورزی کو روکنا، راستوں میں ظلم و تعدی نہ ہونے دینا، کسی کا حق ضائع نہ ہونے دینا) کی انجام دہی سے عاجز ہو تو اس کی اعانت کرے، لوگوں سے تمام حقوق اللہ کے متعلق مواخذہ کرے اور ان کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرے ۔ مذکورہ دونوں صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ والی مظالم قاضی اور محتسب

سے زیادہ مقتدر اور با اختیار ہو تاکہ وہ اپنے فیصلے کو نافذ کرا سکے ۔

۹۔ جمعہ، عیدین، حج اور جہاد وغیرہ عبادات ظاہرہ اور ان کی شرائط میں کوتاہی نہ کرنے دے اس لیئے کہ فرائض اور حقوق خداوندی کی ادائیگی اور بجا آوری سب سے مقدم ہے ۔

۱۰۔ فریقین مقدمہ اور ان کے فیصلے کے متعلق زیادہ غور اور توجہ سے کام لے ۔ مقتضائے حق کے خلاف نہ کرے کیونکہ وہ قاضی اور حکام کے فیصلوں کے موافق فیصلہ کرنے کا مجاز ہے ۔ بعض اوقات حاکم فوجداری مقدمہ واضح نہ ہونے کی وجہ سے جائز حدود سے تجاوز کر جاتا ہے ۔ ایسا کرنا ہرگز درست نہیں ہے ۔

مظالم اور قضاء میں فرق

الماوردی اور ابو یعلی نے مظالم اور قضاء میں دس فرق بیان کیئے ہیں ۔

۱۔ ناظر مظالم کو طاقت ور اور دبدبہ والا ہونا چاہیئے تاکہ وہ فریقین کو نزاع ختم کرنے پر مجبور کر سکے اور ظالموں کو ظلم سے اور دوسروں کا مال غصب کر لینے اور دبا لینے سے باز رکھ سکے ۔ یہ قوت و اختیار قاضی کو حاصل نہیں ہے ۔

۲۔ ناظر مظالم لازمی امور کے ساتھ ساتھ جائز امور کو بھی زیر غور لا سکتا ہے ۔ (جبکہ قاضی انہی امور پر فیصلہ دے سکتا ہے جو از روئے قانون لازم ہوں) اس لئے ناظر مظالم کا دائرہ اختیار اس اعتبار سے بڑھا ہوا ہے ۔

۳- ناظر مظالم فریقین کو تہدید کرسکتا ہے اور ڈرا دھمکا کر اصل صورت حال معلوم کرسکتا ہے۔ جبکہ قضاء قانونی ضوابط کی پابند رہتی ہے۔

۴- جس شخص کا ظلم و تعدی کرنا معلوم ہو اس کی تادیب و اصلاح کرسکتا ہے۔

۵- مقدمہ کی بابت زیادہ تحقیق و تنقیع کی ضرورت ہو اور امید ہو کہ غور و فکر سے حالات و اسباب اصلیت کے ساتھ آشکارا ہو جائیں گے تو ناظر مظالم تصفیہ میں تاخیر کرسکتا ہے اور دوسرے حکام اگر کوئی فریق مقدمہ بعجلت فیصلہ کا طلب گار ہو تو تاخیر کرنے کے مجاز نہیں۔

۶- ناظر مظالم مناسب سمجھے تو فریقین کو مصالحت پر مجبور کرسکتا ہے تاکہ آپس میں رضامندی کے ساتھ سمجھوتہ نہ کرلیں۔ لیکن قاضی دونوں کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔

۷- اگر فریقین انصاف و اعتراف حقوق پر آمادہ نہ ہوں تو ناظر مظالم پولیس کی حراست میں دے کر اگر مقدمہ کی نوعیت ضمانت کے قابل ہو تو ضمانت پر رہا کرسکتا ہے تاکہ رد حقوق اور ایک دوسرے کی تکذیب سے باز آکر انصاف کو قبول کریں

۸- جو لوگ مجہول الحال اور عدالت قضاء کے نزدیک ناقابل شہادت ہوں ناظر مظالم ان کی شہادت سن سکتا ہے۔

۹- شاہدوں کے بیان مشکوک و مشتبہ معلوم ہوں تو ان سے حلف لے سکتا ہے۔ نیز ازالہ شک کے لیئے شاہدوں کی تعداد بھی بڑھا سکتا ہے مگر دوسرے حکام ایسا نہیں کرسکتے۔

۱۰- فریقین کی نزاع کی کیفیت معلوم کرنے کے لیئے ابتداءً شاہدوں کے بیانات

سن سکتا ہے اور برخلاف اس کے قاضیوں کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی سے گواہ طلب کرتے ہیں اور مدعی کے کہنے پر ان کے بیانات لیتے ہیں۔

مظالم کی عدالت اور طریقۂ کار

اسلام کے نظام عدل و انصاف میں صرف قضاء کا شعبہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت اسلام کا نظام عدل و انصاف تین شعبوں پر مشتمل ہے۔

- حسبہ
- مظالم
- قضاء

ولایت مظالم (یا شعبہ رفع مظالم) خاص طور پر ان ناانصافیوں اور زیادتیوں کی تلافی کے لیئے ہے جو با اثر اور باحیثیت شخصیات کی طرف سے عام لوگوں پر واقع ہوئے ہوں، اور جن میں قضاء فیصلہ نہ دے سکے یا اپنے فیصلہ کو نافذ نہ کرا سکے۔ اسی لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ یہ شعبہ یا تو بذات خود سربراہ مملکت (خلیفہ) یا اس کے وزیر اور نائب کے پاس ہو تاکہ اس کے اقتدار سے بالاتر کسی کا اقتدار نہ ہو اور وہ فوری طور پر فیصلہ عدل کو نافذ کر دے۔ مظلومین کی داد رسی کرے اور ستم رسیدگان کو جور و ستم سے رہائی دلائے۔

الماوردی کہتے ہیں کہ:

"نظر مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدی اور ظلم کرنے والے ہر دو

فریق کو جبراً عدالت میں پیش کر کے انصاف کرایا جائے ۔ اگر انکار کریں تو ڈرا دھمکا کر کام کیا جائے ۔ پس ضروری ہے کہ اس منصب کا حاکم نہایت عالی شان، نافذالحکومت، بارعب، باعفت اور بے طمع آدمی ہو، نیز اس کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے پولیس کی قوت اور محکمۂ قضاء کا وقار بھی عطا کیا جائے تاکہ وہ اپنے فیصلہ کو بخوبی نافذ کرا سکے ۔

دربار خلافت سے عام اختیارات کا حامل وزیر یا امیر مظالم کے معاملات سننے اور فیصلہ دینے کا مجاز ہے اور اس کے لیئے مستقل تقرر کی ضرورت نہیں ہے ۔ عام اختیارات نہ ہونے کی صورت میں ضرورت ہوگی کہ ولایت مظالم کے لیئے مستقل تقرر کیا جائے، بشرطیکہ بیشتر ذکر کی ہوئی شرائط اس میں موجود ہوں ۔ لہٰذا اس شخص کا تقرر صحیح ہوگا جس کو ولی عہد یا وزارت تفویض اور امارت علاقہ کے لیئے منتخب کرنا درست ہو ۔ اگر والیٔ مظالم کو محدود اختیارات دیئے جائیں کہ جن مقدمات کو قاضی فیصلہ نہ کر سکیں اور ان کے دائرے سے خارج ہوں صرف انہی کی سماعت کرے، تو ایسے والی مظالم کا عظمت وشان والا ہونا ضروری نہیں ۔ کسی قدر کم رتبہ بھی ہو سکتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ ایسے اخلاقی کیرکٹر کا مالک ہو کہ خوف وتحریص اسے حق کے برخلاف فیصلہ پر آمادہ نہ کر سکیں ۔ [۱]

---

[۱] الماوردی الاحکام السلطانیہ اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم مطبوعہ لاہور ۔

والیٔ مظالم کی عدالت میں مرافعہ

مدعی والی مظالم کی عدالت میں جو مقدمہ دائر کرے گا، اس کی تین صورتیں ہوں گی

- دعوی کے ثبوت مضبوط موجود ہوں اور مدعی اپنا دعوی ثابت کر سکے ۔
- دعوی کے ثبوت کمزور ہوں ۔
- دعوی کی تائید اور اس کے خلاف کوئی بات موجود نہ ہو ۔

ثبوت کا حامل دعویٰ حامل ثبوت دعوی کی بھی اس کے ثبوت کے قوی اور کمزور ہونے کے لحاظ سے تین حالات ہیں ۔

پہلی حالت دعوی کے ثابت کرنے کے لیئے گواہ موجود ہوں اور وہ گواہی دینے کے لیئے تیار ہوں، اور مدعی علیہ اس کے برعکس ثابت نہ کر سکے اس صورت میں والیٔ مظالم گواہوں کو گواہی کے لیئے طلب کرے اور دعویٰ ثابت ہو جانے پر والی مظالم فیصلہ دیدے اور حق دار کو اس کا حق دلوادے ۔

دوسری حالت دوسری حالت جس سے دعوی کو تقویت پہنچے، یہ ہے کہ دستاویز کے معتبر گواہوں میں کوئی موجود نہ ہو، لہٰذا ایسے دعوی کی کارروائی میں چار امور کارآمد ہوں گے ۔

۱۔ مدعا علیہ کو ڈرانا کہ بعجلت حق کا اعتراف کرے اور گواہی کی ضرورت نہ رہے ۔

۲۔ اگر گواہوں کی مضرت اور مشقت کا اندیشہ نہ ہو اور ان کا مقام معلوم ہو تو حاضر کرائے ۔

۳۔ مدعی علیہ کو زیر حراست رکھے اور علامات وقرائن مقدمہ کی تفتیش کرے۔

۴۔ اگر دعوی قرض وغیرہ کے متعلق ہے تو کوئی ضامن طلب کرے اور اگر زمین وجائیداد کے متعلق ہے تو اس کو نگرانی میں لے لے۔ غلہ وآمدنی کسی امین کے پاس محفوظ کردے تاکہ جو حقدار ہو اس کو دی جائے۔

اگر زیادہ عرصہ گزر جائے اور گواہوں کی حاضری سے مایوسی ہو تو والی مظالم اس کا مجاز ہے کہ مدعا علیہ سے پھر دھمکا کر پوچھے کہ یہ شئے تمہاری ملکیت میں کیونکر آئی، اگرچہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سبب ملکیت کے دریافت کرنے کو جائز نہیں فرماتے، مگر امام مالک جائز فرماتے ہیں۔ نیز پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ والی مظالم کا دائرہ اختیارات واجبات سے گزر کر امور جائزہ کو بھی مشتمل ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا جواب دے جس سے تنازعہ رفع ہو جائے تو ٹھیک ورنہ جیسا شرعی مقتضا ہو فیصلہ صادر کردے۔

تیسری حالت دعوی کے گواہ موجود ہوں مگر وہ قاضی (عدالت) کی نظر میں عادل نہ ہوں، اس حالت میں گواہوں کی تین صورتیں ہوں گی۔

"ذی مرتبہ اور ایسے قابل اعتماد لوگ جن کی بات پر بھروسہ کیا جاتا ہو، انکی گواہی قبول کی جائے گی۔"

ایسے لوگ ہوں جن کی بات پر بھروسہ نہ کیا جاتا ہو ایسے افراد کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ایسے لوگ ہوں جن کے بارے میں پہلے سے علم نہ ہو تو ان کی شہرت وعزت

کے بارے میں معلوم کیا جائے گا اور ان سے حلف لیا جائے گا۔

آخری دو اوصاف کے گواہوں کے بارے میں والی مظالم کو اختیار ہے کہ وہ چاہے ان کی گواہی سنے اور پھر حقائق کے ثبوت کے مطابق فیصلے کرے یا اس معاملہ کو قاضی (عدالت) کے سپرد کر دے۔ مگر قاضی اس معاملہ میں والی مظالم کے مشورہ سے فیصلہ کرے۔ کیونکہ قاضی کے لیئے کسی ایسے گواہ کی گواہی پر عمل کرنا درست نہیں ہے جس کی عدالت (سچائی قابل اعتماد ہونا) خود اس کی عدالت میں ثابت نہ ہو۔

چوتھی حالت دعوی کی تائید میں ایسی دستاویز پیش کی جائے جس میں عادل گواہوں کے دستخط ہوں مگر وہ انتقال کر چکے ہوں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

مدعا علیہ کو ڈرایا اور دھمکایا جائے تاکہ سچ بولے اور حق کا اعتراف کرے۔

پوچھا جائے کہ تو کس طرح اس کا مالک ہوا ہے ممکن ہے اس سے حق بات معلوم ہو جائے۔

مملوکہ شئے کے قریب رہنے والے اور فریقین کے پڑوسیوں سے حالات معلوم کئے جائیں۔ کیا عجب ہے کہ ان سے حقدار کا حق معلوم ہوئے۔

پانچویں حالت مدعی کے پاس مدعی علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایسی دستاویز ہو جس سے اس کا دعوی ثابت ہوتا ہو۔ اس حالت میں یہ دستاویز مدعی کے سامنے رکھی جائے۔

اگر وہ اعتراف کرلے کہ یہ اس کی تحریر ہے تو اس صورت میں وہ اس کے حق کا

جس کا دعوی کیا گیا ہے، اعتراف کرنے والا متصور ہوگا، اور اسی اعتراف پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اگر وہ اس تحریر سے انکار کرے تو محققین علماء کی رائے کے مطابق والی مظالم کا محض دستاویز پر فیصلہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک مدعی علیہ اس تحریر کی صحت کا اعتراف نہ کرے۔ اس سلسلے میں والی مظالم ماہرین تحریر کی بھی مدد لے سکتا ہے اور مدعی علیہ کی دیگر تحریروں سے موازنہ کرا سکتا ہے۔ اگر وہ ثابت کر دیں کہ یہ تحریر مدعی علیہ کی ہے تو محض اس پر فیصلہ نہ کرے، بلکہ اس کو دعوی کی صحت کا قرینہ (تائیدی دلیل) تصور کرے۔

محققین نیز تمام فقہاء کی رائے ہے کہ محض تحریر کے اعتراف پر بغیر اعتراف مضمون فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ محکمہ مظالم کے لیئے ممنوعات شرعیہ مباح نہیں ہوتے۔ لہٰذا ناظر مظالم کو چاہیئے کہ مضمون تحریر کے متعلق اس کا بیان سنے اگر وہ یہ کہے کہ میں نے یہ تحریر اس سے قرض لینے کے واسطے لکھی تھی مگر اس نے مجھے قرض نہیں دیا یا اس کے ذمے ایک شئے کی قیمت باقی تھی۔ اس کے طلب کرنے کیلئے میں نے یہ واقعہ لکھا تھا مگر اس نے ادا نہیں کی تو چونکہ لوگ کبھی کبھار ایسا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت ناظر مظالم تہدید اور سختی سے کام لے کر صحیح حالات یا علامات معلوم کرنے کی سعی کرے اگر معلوم ہو جائیں تو مناسب ہے ورنہ قاضی دونوں سے قسم لے کر فیصلہ کر دے۔

اگر سرے سے خط ہی کا منکر ہے تو بعض فقہاء کے نزدیک اس کی ایسی تحریروں سے موازنہ کرے یہ قول ان لوگوں کا ہے جن کے نزدیک محض اعتراف تحریر پر

حکم ہو سکتا ہے۔ جبکہ محققین فقہاء کے نزدیک تحریروں کا موازنہ فیصلہ کے لیئے نہیں ہے بلکہ ملزم کی تنبیہ کے لیئے کیا جاتا ہے۔ اب اگر تحریر سے منکر تھا تو مقابلہ کرنے سے شبہ کمزور ہوگا اور معترف تھا تو اس کی بہ نسبت شبہ قوی ہوگا۔

اور اگر تحریر میں منافات ہو تو مدعی کو تہدید کی جائے اور دونوں کو ایسے لوگوں کے حوالے کیا جائے جو مصالحت کرا دیں اگر مصالحت ہو جائے تو خیر ورنہ قاضی قسمیں لے کر فیصلہ کر دے۔

چھٹی حالت مالی معاملات میں والی مظالم مدعی یا مدعی علیہ کے حسابات پر اعتماد کرے، مثلاً حساب کے کاغذات اور رجسٹروں کا جائزہ لے اور ان کے آمد و خرچ کے گوشواروں کی جانچ پڑتال کرے۔ حسابات کا یہ جائزہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے مقتضا پر عمل کیا جائے گا۔ البتہ حاکم (قاضی یا والئ مظالم) کے فیصلے کی ایک تائیدی دلیل ضرور ہے۔

غیر ثابت شدہ دعوی اگر کوئی شخص والی مظالم کو کوئی دعوی پیش کرے اور مدعی علیہ اس کی عدم صحت ثابت کر دے تو اس کی چھ صورتیں ہیں۔

پہلی صورت مدعی علیہ ایسی دستاویز پیش کرے جس پر موجود عادل گواہوں کے دستخط ثبت ہوں اور اس سے مدعی کا دعوی باطل ثابت ہوتا ہو۔ اس کی چار وجوہ ہیں۔

۱۔ جس شئے کا دعویدار ہے اس کے فروخت کر دینے کی شہادت دیں۔

۲۔ شہادت دیں کہ جس شئے کا دعویدار ہے اس سے اپنی ملکیت کے اختتام کا ہمارے

سامنے اقرار کیا۔

٣۔ شہادت دیں کہ اس کے باپ نے اس کی انتقال ملک کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جس شئے کا دعوی کرتا ہے اس شئے سے بے تعلق ہے۔

٤۔ شہادت دیں کہ جس کا یہ شخص دعویدار ہے اس کا مالک مدعا علیہ ہے ان چار صورتوں میں دعوی باطل ہوگا اور حاکم اس کی حالت کے مطابق اس کو تنبیہ و تہدید کرے گا۔

دوسری صورت مدعی علیہ ایسی دستاویز پیش کرے جس سے دعوی کو باطل کرنا مقصود ہو مگر اس پر جن گواہوں کے دستخط ہوں وہ موجود نہ ہوں۔

ایک یہ کہ انکار کے ساتھ سبب کا اعتراف ہو مثلاً یوں کہے اس زمین میں مدعی کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ میں نے اس سے خرید کر قیمت ادا کر دی ہے اور یہ کاغذ موجود ہے جس میں گواہی ثبت ہے۔ اس صورت میں مدعا علیہ ایسے کاغذ کا مدعی ہو جائے گا جس کے گواہ حاضر نہیں ہیں۔ لہٰذا گذشتہ طریقہ یہاں بھی اختیار کیا جائے، مگر اس کے قبضہ اور تصرف کی وجہ سے علامت قوی اور قرینہ زیادہ ظاہر ہوگا۔

اگر اس سے ملکیت ثابت نہ ہو تو دونوں کو قرائن حالیہ کے موافق تہدید و تنبیہ کرے اور گواہوں کو حاضر ہونے کا حکم دے اور تحقیق سے جب حق ظاہر ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

دوم یہ کہ مدعی علیہ کی دستاویز سبب کے اعتراف پر مشتمل نہ ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ گھر میرا ہے اور مدعی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس صورت میں جب تک مدعی دعوی ثابت نہ کرے ملکیت مدعی علیہ کے پاس رہے گی اور اس سے نہیں لی جائے گی۔

تیسری صورت یہ کہ جو دعوی دستاویز کے خلاف پیش ہوا ہو اس کے شاہد موجود ہوں مگر عادل نہ ہوں۔ ناظر مظالم کو چاہیے کہ ان کے متعلق وہی تینوں صورتیں اختیار کرے جو مدعی کے موافق ہونے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

مدعا علیہ کے انکار کو بھی دیکھے آیا اعتراف سبب کو متضمن ہے یا نہیں بہرکیف حسب ہدایت سابق اپنے اجتہاد اور شواہد حال کے موافق عمل کرے۔

چوتھی صورت یہ کہ شاہدان تحریر جو عادل تھے فوت ہو چکے ہوں، اس صورت میں اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ تہدید سے کام لیا جائے کہ ممکن ہے کچھ انکشاف ہو جائے پھر جو صورت ہو یعنی انکار اعتراف سبب کو متضمن ہو یا نہ ہو ایک قطعی فیصلہ کر دے۔

پانچویں صورت یہ کہ مدعا علیہ دعوی کے خلاف مدعی کی تحریر پیش کرے جس سے مدعی کا کاذب ہونا معلوم ہو اس کے متعلق وہی تفتیش کرنی چاہیے جو خط و تحریر کی بابت پہلے بیان ہو چکی ہے اور صورت حال کے موافق تہدید بھی عمل میں لا سکتا ہے۔

چھٹی صورت یہ کہ دعوی کے خلاف حساب کی ایسی تفصیلات پیش کی جائیں جن سے دعوی کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اس صورت میں وہی رویہ اختیار کیا جائے گا جو حساب کی بابت پہلے ذکر کر چکے ہیں یعنی تفتیش تہدید اور تاخیر فیصلے میں شواہد حال کا اعتبار رکھ کر نزاع کے ختم کرنے کے لیئے ایک قطعی فیصلہ سنا دیا جائے گا۔

ثبوت سے خالی دعوی یعنی نہ مدعی کے پاس دعوی کا ثبوت موجود ہو اور نہ مدعی علیہ کے پاس اس کے رد کا کوئی ثبوت ہو۔

اس صورت میں فریقین کے حالات کے پیش نظر غلبہ ظن سے کام لیا جائے گا، اور اس کی تین صورتیں ہوں گی۔

- غلبہ ظن مدعی کے حق میں ہو۔
- غلبہ ظن مدعی علیہ کے حق میں ہو
- غلبہ ظن کا پہلو دونوں کے حق میں برابر ہو۔

غلبہ ظن کا صرف یہی فائدہ ہوگا کہ فریقین کو تہدید و تنبیہ کر کے واقعات کو آشکار کرنے کی کوشش کی جائے ورنہ تصفیہ مقدمات میں غالب ظن و گمان ناقابل اعتبار ہیں۔

اگر غلبہ ظن مدعی کے حق میں ہے اور مدعا علیہ کے متعلق بدگمانی ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱- مدعی حجت و برہان سے خالی ہونے کے ساتھ کمزور اور نرم طبیعت کا شخص ہو۔ برخلاف اس کے مدعا علیہ قوت و شوکت والا آدمی ہو۔ لہذا امکان یا

زمین کے غصب کا دعوی کرنے سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کمزور اور نرم خو انتی قدرت و شوکت والے پر ناحق دعوی نہیں کر سکتا۔

۲- مدعی صدق و امانت میں مشہور ہو اور مدعا علیہ کذب و خیانت میں لہذا ظن مدعی کی جانب ہوگا کہ وہ اپنے دعوی میں صادق ہے۔

۳- دونوں کی حالت برابر ہو مگر مدعی کا سابق قبضہ مشہور معروف ہو اور مدعی علیہ کے قبضے کی بابت کوئی شہرت نہ ہوئی ہو۔

ان ہر سہ صورت میں عدالتی کارروائی دو طرح ہونی چاہیئے۔ ایک یہ کہ بدگمانی کی وجہ سے مدعا علیہ کو تہدید و تنبیہ کی جائے اور دوسری یہ کہ مدعا علیہ سے سوال کیا جائے کہ متنازع فیہ پر تمہارا قبضہ کیسے ہوا؟ کیونکہ امام مالک کی رائے میں قضاء کے اندر یہ دریافت کرنا درست ہے لہذا مظالم میں بدرجہ اولی جائز ہے۔

مدعی علیہ کے حق میں غلبۂ ظن ہونے کی تین صورتیں ہیں

پہلی وجہ یہ ہے کہ مدعی ظالم و خائن مشہور ہو اور مدعا علیہ انصاف پسند امانت دار ہو۔

دوسری یہ کہ مدعی کمینہ مبتذل عادات والا ہو اور مدعا علیہ پاکباز اور باعزت ہو، مدعی اس کو خفیف اور ذلیل کرنے کے لیئے حلف پر مجبور کرے۔

تیسری یہ کہ مدعا علیہ کی ملکیت کا سبب مشہور اور مدعی کے دعوے کا کوئی سبب اور وجہ معلوم نہ ہو۔

ان ہر سہ وجوہ میں غلبۂ ظن مدعا علیہ کی جانب ہوگا۔ امام مالک کا اسی

صورت میں یہ مسلک ہے کہ اگر دعوی زمینی جائیداد کے متعلق ہے تو تا وقتیکہ سبب ملکیت بیان نہ کرے۔ دعوی کی سماعت نہ کی جائے، اور اگر قرض واجب الادا کے متعلق ہے تو اس کی سماعت اس وقت کی جائے جبکہ مدعی اس بات پر شہادت شرعیہ پیش کرے کہ میرے اور مدعا علیہ کے درمیان معاملہ تھا مگر امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقدمات قضاء میں ایسا کرنا درست نہیں، لیکن مقدمات مظالم کے اندر مصالح کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ واجب کو چھوڑ کر جائز پر ہی عمل کرنا درست ہے۔ لہٰذا اگر بدگمانی ہو یا یہ معلوم ہو کہ عناداً ایسا کر رہا ہے تو امام مالک کی رائے پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا حتی الوسع ان اسباب کی چھان بین کرے، جن سے حق بات ظاہر ہو جائے اور فیصلہ میں مدعا علیہ کی عزت محفوظ رہے، اور اگر حلف تک نوبت پہنچے کہ جس پر فیصلے کی انتہا ہوتی ہے اور بحیثیت قانون قضاء ناظر مظالم کا مدعی کو اس کے مطالبے سے روکنا بھی جائز نہیں ہے اور اگر دھمکانے یا نصیحت کرنے کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا۔ تو اپنے دعوؤں کو جدا جدا کر کے مدعی علیہ کو دق اور ذلیل کرنے کے لیئے چاہیئے کہ ہر دعوے کے متعلق علیحدہ علیحدہ مجلس میں حلف دے اسلئے کہ قانون قضاء کے بموجب اس کو علیحدہ علیحدہ حلف لینے سے نہیں روکا جا سکتا اسکے برعکس لیکن قانون مظالم کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مدعی کی شرارت معلوم ہو تو اس کو تمام دعوؤں کے جمع کرنے کا حکم دیا جائے اور مدعا علیہ سے تمام دعوؤں کے متعلق ایک ہی حلف لیا جائے۔

اگر فریقین کی حالت برابر ہو اور کسی کے متعلق غلبۂ ظن موجود نہ ہو تو مناسب

یہ ہے کہ دونوں کو یکساں نصیحت کرے اتنی بات میں تو تمام احکام قضاء اور احکام مظالم یکساں ہیں مگر نصیحت کے بعد ناظر مظالم دونوں کو برابر ہونے کی وجہ سے ایک ساتھ تہدید و تنبیہ کرے اور پھر اصل دعویٰ اور انتقال ملک کی تنقیح و تفتیش کرے اگر تحقیقات سے کسی کا حقدار ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرے ورنہ سربرآوردہ ہمسایوں اور خاندان کے بزرگوں کے حوالے کر دے۔ تاکہ نزاع کو ختم کرا دیں۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو انتہائے کار یہی ہے کہ قانون قضاء کے بموجب خود یا کسی کو نائب بنا کر قطعی فیصلہ سنا دے۔ بعض اوقات ناظر مظالم کے اجلاس میں دقیق اور مشکل مقدمے پیش ہوتے ہیں جن میں ہم نشینوں کی راہنمائی اور علماء کی آرا پر مبنی فیصلہ مفید ہوتا ہے تو اگر وہ خود ہی پہلے اس کا کوئی حل بتا دیں تو اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کرے اور نہ آخر میں فیصلہ کرتے وقت ان کے مشورہ پر عمل کرنے میں دریغ کرے۔

رفع مظالم کی مختصر تاریخ

رفع مظالم اور خلافت راشدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رفع مظالم کے بعض واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً والی مصر حضرت عمرو بن العاص نے ایک شخص کو کوڑے مارے تو اس نے حج کے زمانے میں آکر حضرت عمر سے شکایت کی۔ حضرت عمر نے اس کا قصاص لینے کا حکم جاری کیا اور بعد میں اس شخص کو دو دینار کے عوض قصاص معاف کر دینے پر راضی کیا گیا۔[1]

ایک اور عامل نے جب کسی شخص کو مارا تو آپ نے اسے قصاص دلوایا[2]

خلفائے بنو امیہ جس خلیفہ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو رفع مظالم اور دادرسی کے لیے پیش کیا وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز عشاء کی نماز کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے فریاد کی۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھ پر کیا زیادتی ہوئی ہے۔ اس نے بیان کیا کہ "ولید بن عبدالملک نے میری

[1] اس واقعہ کی تفصیل "نظام احتساب" میں بیان کی گئی ہے۔

[2] حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام: ۱/۴۹۰، ۴۹۱ الطبعۃ السابقہ ۱۹۶۴ء، بیروت۔

زمین دبالی ہے"۔ آپ نے مزاحم (پٹواری) سے کہا کہ "میرے پاس صوافی (زمینی ملکیت کا دفتر) لے آؤ"۔ اس میں آپ نے یہ تحریر دیکھی کہ "میں ولید بن عبدالملک کو فلاں کی زمین دیتا ہوں"، یہ دیکھ کر آپ نے حکم دیا کہ "اسے کاٹ دو اور اسے اس کی زمین کے واپس کرنے کا حکم دے دو اور یہ حکم بھی دے دو کہ اس کے مصارف کا دگنا ادا کرے۔"[1]

بعد میں خلفائے بنو امیہ نے بطور خاص ستم رسیدہ افراد کی دادرسی لی اور انکے معاملات کی جانچ پڑتال شروع کی۔ سب سے پہلے یہ کام عبدالملک بن مروان نے کیا اور اس ضمن میں جہاں اسے کوئی دشواری پیش آتی تھی وہ اپنے قاضی ابن ادریس الازدی کی جانب رجوع کرتا تھا۔

مظالم کا محکمہ براہ راست خلیفہ، والی یا اس کے نائب کے تحت ہوا کرتا تھا اور "صاحب مظالم" ایک دن متعین کر کے اس میں اجلاس کرتا اور مظلومین کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی خاص طور پر نظر مظالم کے لئے متعین ہوتا تو وہ ہفتہ کے تمام ایام میں دادرسی کرتا تھا۔[2]

عباسی دور حکومت عباسی دور حکومت میں خلیفہ خود نظر مظالم کے لیے بیٹھتے اور دادرسی کرتے، اور ان کے وزیر مختلف علاقوں میں صاحب مظالم مقرر کرتے تھے[3]۔ مامون الرشید ہر ہفتہ کے

[1] جرجی زیدان: تاریخ التمدن الاسلامی ۱/۲۴۰، طبع بیروت

[2] حسن ابراہیم حسن تاریخ الاسلام ۱/۴۹۰، ۴۹۱۔

[3] تاریخ الاسلام ۲/۲۹۶۔

روز دادرسی اور رفع مظالم کے لئے مجلس منعقد کرتا - ایک مرتبہ ایک عورت نے اس کے پاس اس کے بیٹے عباس کی شکایت کی - مامون نے فوراً اس کی دادرسی کی اور اسے اپنے ساتھ بٹھایا - [1] خلیفہ عباسی مہتدی (۲۵۵ — ۲۵۶ھ) نے ایک چار دروازوں والا قبہ بنوایا تھا جسے "قبۃ المظالم" کہا جاتا تھا - [2] مہتدی متقی اور پرہیزگار انسان تھا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتا تھا - ہر جمعہ کو جامع مسجد میں خطبہ دیتا اور نماز کی امامت کرتا تھا - [3]

مسعودی کا بیان ہے کہ صالح بن ہاشمی نے ذکر کیا کہ میں ایک روز مہتدی کے مظالم کے دربار میں موجود تھا، اس کے پاس درخواستیں اور شکایتیں پہنچائی گئیں اور اس نے فوراً احکام جاری کئے جن کی رو سے جن جن علاقوں میں ظلم ہوا وہ رفع کر دیا گیا - میں نے اس کے اس طریقہ کار کو بہت پسند کیا - [4]

"نظر مظالم" کا طریقہ ترقی پاتا رہا، وزراء اس کام کے لیئے اجلاس منعقد کرتے تھے - حتیٰ کہ بعض عورتیں بھی اس سلسلے میں خصوصیت حاصل کر گئی تھیں خلیفہ مقتدر کی والدہ کو بڑا اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور اس کا اقتدار اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ اس نے ۳۰۶ھ میں عورتوں کو "صاحبۃ المظالم" اور "قہرمانہ"

---

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ۱/۲۴۱ -

[2] تاریخ الاسلام ۳/۲۱۴ -

[3] الحضارۃ الاسلامیہ ۴۳۱ -

[4] المسعودی؛ مروج الذہب ومعادن الجوہر مع الترجمۃ الفرنسیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، طہران ۱۹۷۰ء -

بنا کر متعین کیا تھا - وہ خود "الرصافہ" میں اپنی بیٹی "السیدہ" کے گھر ہر جمعہ کو اجلاس کرتی، لوگوں کی درخواستیں وصول کرتی اور ان پر فرامین اور احکام صادر کرتی، اور اس وقت اس کی مجلس میں اعیان حکومت اور قاضی بھی موجود ہوتے تھے - [1]

مصر میں ابن طولون نے اس باب میں دلچسپی لی - وہ ۲۵۷ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد ہفتہ میں دو روز نظر مظالم کے لیئے اجلاس کرتا تھا [2] - پھر اس کے بعد خلفاء اس کی پیروی کرتے رہتے - یہاں تک کہ فاطمین کا دور آگیا انہوں نے قاہرہ کی تعمیر کی، اور وہاں رفع مظالم اور دادرسی کا سلسلہ قائم کیا سب سے پہلے فاتح مصر جوہر نے یہ مجلس منعقد کی - وہ ستم رسیدگان کی درخواستوں پر اپنے ہاتھ سے فرمان لکھا کرتا تھا - پھر جب فاطمین کے اقتدار میں ضعف پیدا ہو گیا تو نظر مظالم کا کام وزراء کے سپرد ہو گیا اور ان میں افضل بن شہنشاہ زیادہ مشہور ہوا - جو خود مظالم کے لیئے اجلاس کرتا تھا - پھر بعد والوں نے اس کا طریقہ جاری رکھا - طریقہ یہ تھا کہ دیوان مظالم کے دروازے پر آواز پڑتی تھی کہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو وہ مجلس میں آ کر بیان کرے - [3]

---

[1] السیوطی، تاریخ الخلفاء ۳۸۱، طبع پاکستان تاریخ الاسلام ۳/۲۱۵ -

[2] آدم متز؛ الحضارہ الاسلامیہ فی القرن الرابع عشر الہجری (نقلہا الی العربیۃ محمد عبدالہادی ابوریدہ)

۱/۴۳۱ الطبعۃ الرابعۃ بیروت ۱۹۶۷ء

[3] تاریخ التمدن الاسلامی ۱/۲۴۲

نظامِ احتساب

حسب کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں، حسب وہ اشیاء ہیں جنہیں شمار کیا گیا ہو۔ اسی سے حسب کے معنی اس عظمت و شرف کے ہوئے جو کسی کے باپ دادا میں پائی جاتی ہو یعنی آباء و اجداد کے مفاخر کیونکہ انسان اپنی پچھلی نسلوں کی عظمتوں اور مفاخر کو شمار کرتا ہے۔

"احتساب" کے معنی اجر و ثواب کے لیے کوئی کام کرنے کے ہیں چنانچہ حدیث نبوی میں ہے۔

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه (۱)

(جس نے ایمان اور اجر و ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔

لین نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ:

احتسب (for احتسب اجرا) He reckoned upon a reward: or) he sourght a reward (from God in the world to come). ویرزقه من حیث لا یحتسب

۱؎ لسان العرب، (در ذیل مادہ) تاج العروس (در ذیل مادہ)

in the Quran lxv:2, means (And He will supply him with the means of subsistence) whence he does not reckon, or expect: whence does not occur to him mind. And من صام رمضان ایمانا واحتسابا۔, in a trad., Who so fasteth during Ramadan, believing in God and his Apostle, and (reckoning upona reward, or) seeking a reward from God. You say also, احتسب بکذا اجرا عند الله He reckoned upon obtaining, (or he sought) by such a thing, or such an action, a reward from God: or he prepared, or provide, such a thing, seeking thereby a reward from God. And احتسب عند الله خیرا He prepared, or provided, in store for himself, good, (i.e. a reward,) with God. And احتسب الاجر علی الله He laid up for himself, in store, the reward, with God, not hoping for the reward of the present life; احتساب الاجر relating only to an action done for the sake of God.[1]

---

1. Lane; Edward William: Arabic English Lexicon.

اصطلاحی مفہوم فقہی کتب میں بالعموم "حسبہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ اس فریضہ کو انجام دینے والے کو "محتسب" بھی کہا گیا ہے اور "والی الحسبہ" کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے۔

الماوردی (۴۵۰ھ) نے احتساب کی یہ تعریف کی ہے۔

"ھو امر بالمعروف اذا ظھر ترکہ ونھی عن المنکر اذا ظھر فعلہ" (۱)

(کسی اچھائی کا ترک اور کسی برائی کا ارتکاب اگر کھلم کھلا ہو تو اس کا سدباب احتساب ہے)۔

امام غزالی (۵۰۵ھ) نے یہ تعریف کی ہے۔

"ھی عبارۃ شاملۃ للامر بالمعروف والنھی عن المنکر" (۲)

(حسبہ دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک جامع عنوان ہے)

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

۱؎ (الاحکام السلطانیہ الماوردی، طبع قاہرہ ۱۹۷۳ء الطبعۃ الثالثۃ ص ۲۴۰

الاحکام السلطانیہ لابی یعلی الفراء ص ۲۸۴ الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۴ء بیروت۔ ابن بسام - نہایۃ الرتبہ فی طلب الحسبۃ ص ۱۰۔ بغداد ۱۹۶۸ء۔

۲؎ احیاء علوم الدین ج دوم ص ۳۱۲ طبع بیروت

"ھی وظیفۃ دینیۃ من باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر" ۱؎

(احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق خالصتاً دینی منصب ہے)

محمد علی تھانوی کہتے ہیں کہ:

فی الشرع ھما الامر بالمعروف اذا ظھر ترکہ والنھی عن المنکر اذا ظھر فعلہ ثم الحسبۃ فی الشریعۃ عام یتناول کل مشروع یفعل للہ کالاذان والاقامۃ واداء الشھادۃ الی کثرۃ تعدادہ ولھذا قیل القضاء باب من ابواب الحسبہ وفی العرف اختص بامور احدھا اراقۃ الخمور وثانیھا کسر المعارف وثالثھا اصلاح الشوارع ۲؎

(از روئے شریعت حسبہ اور احتساب کے معنی ہیں کہ کسی ایسی اچھائی اور نیکی کا حکم دینا جسے لوگوں نے ترک کر دیا ہو۔ اور ایسی برائی سے روکنا جس کے لوگ مرتکب ہو رہے ہوں، شریعت میں حسبہ کا لفظ عام ہے اور ہر اس امر مشروع پر مشتمل ہے جو اللہ کے لیے کیا جائے۔ جیسے اذان اقامت ادائے شہادت اور ان امور کی تعداد بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ قضا بھی حسبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ از روئے عرف حسبہ بعض امور کے ساتھ خاص ہوتا ہے، مثلاً اولاً شراب کا بہا دینا دوم آلات موسیقی کا توڑ دینا اور تیسرے

۱؎ مقدمہ ابن خلدون ۱۸۸/۰۔ بیروت ۱۹۷۱ء

۲؎ کشاف اصطلاحات الفنون ۔ ۲۷۷/۱ - ۲۷۸ طبع کلکتہ ۱۸۹۲ء

سڑکوں کی اصلاح کرانا

آخر میں ہم ماضی قریب کے ایک مصنف کی تعریف نقل کرتے ہیں جنہوں نے بہت وضاحت اور ضروری تفصیل کے ساتھ ادارہ احتساب (حسبہ) کی تعریف مرتب کی ہے، یہ مصنف شام کی کلیۃ الشریعۃ کے سابق سربراہ، شام کے سابق وزیر تعلیم اور مکہ مکرمہ کی ام القری یونیورسٹی کے پروفیسر استاد محمد المبارک مرحوم تھے۔ وہ اپنی تالیف الدولۃ ونظام الحسبۃ عند ابن تیمیہ میں کہتے ہیں۔

"ھی رقابۃ اداریۃ تقوم بھا الدولۃ عن طریق موظفین خاصین علی نشاط الافراد فی مجال الاخلاق والدین والاقتصاد، ای فی المجال الاجتماعی بوجہ عام تحقیقاً للعدل والفضیلۃ ووفقاً للمبادی المقررۃ فی الشرع الاسلامی والاعراف المالوفۃ فی کل بیئۃ وزمن (۱)

(یہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جس کو حکومت قائم کرتی ہے اور خاص کارندے اس کو چلاتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اخلاق، مذہب اور معاشیات کے دائرہ میں افراد کی سرگرمیوں کی نگرانی کی جائے، یعنی ان کی عام اجتماعی سرگرمیوں کی نگہداشت ہو تاکہ انصاف اور اعلیٰ اقدار کو عملاً بروئے کار

۱؎ محمد فاروق ؛ نظام الحکم فی الاسلام، ۱۲، جامعۃ الکویت ۱۹۷۴ء — پروفیسر محمود غازی۔ ادب القاضی ص ۵۹، ۶۰ — مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

لایا جا سکے اور اس معاملہ میں اسلامی شریعت اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں جو معروف اور پسندیدہ طریقے رائج ہیں ان کی روشنی میں اس اہم کام کو سرانجام دیا جا سکے)

قرآن وسنّت سے حسبہ کے تصوّر کا ثبوت

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (آل عمران ۱۰۴)

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں)

نیز ارشاد فرمایا کہ:

الذین ان مکناھم اقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (الحج ۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔

امام غزالی نے "احیا علوم الدین" میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے لازم اور واجب ہونے کے بارے میں متعدد قرآنی آیات نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور اسلامی معاشرے کی اساس اسی پر قائم ہے

اسی طرح امام غزالی نے اس موضوع کی متعدد احادیث اور آثار بھی نقل کئے ہیں۔
حضرات ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

من رائ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ
فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (۱)

(تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے (برا کہے) اور اگر ایسا نہ کر سکے تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔

ہر چند کہ حسبہ اور احتساب کے اصطلاحی الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود نہیں تھے مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امور انجام دیئے اور اسی طرح خلفائے راشدین بھی ان فرائض کو انجام دیتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ غلہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو اس میں نمی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاجر سے وجہ دریافت فرمائی۔ وہ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش میں بھیگ گیا ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے گیلا غلہ اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکتے یاد رکھو جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں

---

۱ صحیح مسلم، بشرح النووی، الایمان، باب وجوب الامر بالمعروف ۲/ ۲۲۔ طبع بیروت۔ سنن النسائی بشرح السیوطی، الایمان، تفاضل اہل ایمان ۸/ ۱۱۱۔ طبع بیروت۔ مسند احمد بن حنبل ۳/ ۵۰۔

ہے [1]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار سے گذر ہوا تو آپ نے ایک وزن کرنے والے سے فرمایا۔

"زن وارجح" [2]

(اچھی طرح تولو اور جھکتا ہوا تولو)

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ:

رأیت الناس یضربون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتروا الطعام جزافا ان یبیعوہ حتی یؤوہ الی رحالھم (۳)

(میں نے عہد نبوت میں دیکھا کہ اگر لوگ غلہ کے ڈھیر (بغیر وزن کے) خرید لیتے اور اسے اپنے ٹھکانوں پر لے جانے سے پہلے فروخت کر دیتے تو ان کو ضرب لگائی جاتی تھی۔)

اس حدیث کے بارے میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ اہل سوق (بازار والوں

---

۱ مسند احمد بن حنبل ۲/ ۵۰

۲ سنن النسائی، بشرح السیوطی۔ البیوع، الرجحان فی الوزن ۷/ ۲۸۴ طبع بیروت

بذل المجہود فی حل ابی داؤد ۱۵/ ۱۷۱ بیروت۔

۳ الصحیح للبخاری بحاشیہ السندی ۲/ ۱۶۔

سنن النسائی، البیوع، الرجحان فی الوزن ۷/ ۲۸۴۔

پر، محتسب مقرر کرنے کی اصل ہے، اور اس سے یہ اجازت بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگر تاجر اپنے معاملات میں احکام شرعی کی خلاف ورزی کریں تو انہیں سزا بھی دی جا سکتی ہے [1]

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ ولی امر کو یہ فاسد کرنے والے شخص کو ضرب وغیرہ کی تعزیری سزا دینے کا اختیار حاصل ہے [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات دوسرے صحابہ کرام کو بھی اس طرح کے کاموں کے لیے بازار بھیجتے رہتے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ کا عبدالحئی الکتابی نے التراتیب الاداریہ میں ذکر کیا ہے۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات کتب حدیث و سیرت میں بکھرے ہوئے ہیں۔

بعد میں جب اسلامی ریاست مدینہ سے باہر بھی پھیل گئی تو اس کام کے لیے مستقلاً آدمی مقرر کر دیے گئے چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مکہ مکرمہ میں حضرت سعید بن العاص کو محتسب مقررہ کیا گیا [3]

عہد صدیقی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ نظام کو برقرار رکھا اور آپ نے حضرت عمر کو دیگر متنوع ذمہ داریوں

---

[1] سنن النسائی، ۷/۲۸۴۔ بذل المجہود ۱۵/۷

[2] النووی۔ شرح صحیح مسلم ۱۰/۱۷۱۔ طبع بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۲۹ء

[3] ادب القاضی۔ ص ۲۰۱۔ بحوالہ التراتیب الاداریہ ج ۱۵۔ ۱۹۲۹ء

کے ساتھ "قضاء" کا منصب تفویض کیا، اس لحاظ سے حضرت عمر پہلے قاضی ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو مدینہ کے "عسس" پر مامور کیا تھا [1]

عہد فاروقی: حضرت عمرؓ نے تاریخ عالم کی سب سے زیادہ مستحکم اور بے مثال حکومت تشکیل دی تھی، وہ مملکت کے بڑے بڑے معاملات و مسائل سے لے کر چھوٹے چھوٹے امور تک ہر معاملہ پر بڑی عمیق اور دوررس نظر رکھتے تھے۔

"فریضہ احتساب" کے لیے باقاعدہ عنوان نہ سہی، لیکن حضرت عمر نے ان تمام امور کو بحسن خوبی انجام دیا جو کسی بھی طرح حسبہ یا احتساب کے زمرے میں آ سکتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں یہ فرائض آپ خود انجام دیتے رہے اور مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت سعید بن سعید بن العاص کو محتسب مقرر کیا [2]

شفاءؓ بنت عبداللہ ایک بہت ذہین خاتون اور فاضل صحابیہ تھیں، آپ ہجرت سے قبل اسلام لے آئی تھیں، اور اولین ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں، اکثر اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں آرام فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے بہت خوش تھے ان کی فضیلت کے

---

[1] الاستیعاب ۸/۲۵۵۔

[2] محمود احمد غازی۔ ادب القاضی ص ۶۱۷۔

قائل تھے اور ان کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور آپ نے انہیں بازار کا نگران
مقرر کر دیا تھا۔ ئہ سمراء بنت نہیک الاسدیہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں، وہ کوڑا لے کر
بازار میں گشت کرتیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں لہ
ذیل میں اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جس سے نہ صرف یہ معلوم
ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں احتساب کی کیا کیفیت تھی بلکہ اس سے یہ حقیقت بھی منکشف
ہوگی کہ دراصل "احتساب" کیا ہے اور کیا ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جو اس ضمن میں
انجام دیے جانے چاہیں۔

۱۔ حضرت عمر نے ایک شتربان کو اونٹ پر زیادہ بوجھ لادنے پر سزا دی مسیب
بن دارم سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ:

رأيت عمر بن الخطاب يضرب جمالا وهو يقول حملت
جملك ما لا يطيق۔

(میں نے عمر بن الخطاب کو ایک شتربان کو مارتے دیکھا آپ اس سے کہہ رہے
تھے کہ تو نے اپنے اونٹ پر اس کی قوت سے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے۔

حضرت عمر سواری کے جانور رکھنے والوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ:

الا اتقيتم الله فى ركائبكم هذه الا علمتم ان لها عليكم
حقا الا خليتم عنها فاكلت من نبت الارض۔ ٢ه

لہ الاستیعاب ۴۵/۱۳

٢ه مولانا تقی امینی۔ حالات و زمانہ کی رعایت۔ ۲۸۳

(اپنی ان سواریوں کے بارے میں تم لوگ اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ کیا تمہیں
نہیں معلوم کہ تم پر ان کا بھی حق ہے کیوں نہیں ان کو چھوڑ دیتے کہ زمین کا سبزہ
کھا لیا کریں۔

۲۔ نصر بن حجاج ایک شخص تھا، جس کی خوبصورتی مدینہ کی خواتین کے لیے فتنہ کا باعث
بن رہی تھی حضرت عمرؓ نے اس کا سر منڈوا دیا، اس پر بھی اس کی خوبصورتی میں
کمی نہ آئی تو اسے مدینہ منورہ سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح ایک
صاحب شقال نامی تھے، حضرت عمرؓ نے ان کا بھی سر منڈا دیا تھا، اور پگڑی
باندھنے کا حکم دیا تھا، مگر اس سے اس کی حسن میں مزید اضافہ ہو گیا تو حضرت
عمرؓ نے اسے جہاد کے لیے روانہ کر دیا۔ لہ

۳۔ حضرت حفصہ کے بھائی کی ایک باندی تھی، وہ ذرا اچھا لباس پہن کر باہر نکلی
حضرت عمر نے اسے دیکھ لیا تو حضرت حفصہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی کی باندی
لوگوں کو دیکھتی پھر رہی تھی اور آپ نے اس بات پر سختی سے گرفت کی۔

۴۔ حضرت عمر ناز و نعم کی زندگی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس پر گرفت کیا کرتے
تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:

اخشوشنوا ولا تبختروا التبختر الاعاجم۔
(کھردرے بنو اور عجمیوں کی طرح ناز و انداز نہ کرو،

لہ ابن تیمیہ الطرق الحکمیہ ۱۲۔ القاہرہ ۱۹۵۳ء

ایک اور واقع پر آپ نے فرمایا کہ:

ایاکم والتنعم وزی العجم۔

(اپنے آپ کو عیش و عشرت کی زندگی اور لباس عجم سے بچاؤ)

(۵) رویشد ثقفی جس پر پہلے ہی مے نوشی کی حد جاری ہو چکی تھی وہ شراب فروخت کیا کرتا تھا حضرت عمر نے اس کی دوکان جلانے کا حکم دیا اور کہا کہ تو فویسق ہے رویشد نہیں ہے[1]

(۶) سواد کا ایک شخص شراب کی تجارت سے خوب مالدار ہو گیا حضرت عمر کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمان جاری کیا کہ اس کی ہر شے توڑ ڈالو، اس کے تمام مویشی لے لو اور کوئی اسے پناہ نہ دے[2]

(۷) ایک سائل لوگوں کے سامنے دست دراز کر رہا تھا، اور اس کی جھولی میں گندم بھرا ہوا تھا، آپ نے وہ غلہ اس سے چھین کر اونٹوں کے آگے بکھیر دیا اور فرمایا کہ:

الآن سل ما بدالك۔

(لے اب مانگ لے)

(۸) ضحاک بن خلیفہ عریض (جھیل) سے پانی نکال کر اپنی زمین تک لانا چاہتے تھے

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۲/۷۷ - حالات و زمانہ کی رعایت۔ ۳۳۳

[2] محمد رواس قلعجی: موسوعۃ فقہ عمر، ص ۸۷ الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۱ الکویت۔

راستہ میں محمد بن مسلمہ کی زمین پڑتی تھی مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوئے جس پر حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے کہ تم بھی اس سے پانی لے سکتے ہو لیکن محمد بن مسلمہ پھر بھی راضی نہیں ہوئے اس پر حضرت عمر نے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ قسم بخدا یہ اپنی نہر ضرور نکالیں گے خواہ تمہارے پیٹ پر سے بھی گزارنا پڑے، چنانچہ ضحاک نے وہ نہر محمد بن مسلمہ کی زمین میں سے نکال لی[1]

۹۔ صبیغ نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا اور اس نے لوگوں سے قرآن کے متشابہات کے بارے میں دریافت کرنا شروع کر دیا حضرت عمر نے کھجور کی ٹہنیاں تڑا کر رکھیں اور اسے بلوا کر خوب مارا یہاں تک کہ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا اور اس نے کہہ دیا کہ میرے سر میں جو فاسد خیالات تھے وہ نکل گئے ہیں[2]

۱۰۔ معن بن زائدہ نے بیت المال کی مہر کے نقش پر ایک مہر بنوالی اور ایک جعلی دستاویز تیار کر کے بیت المال سے کچھ رقم حاصل کر لی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے سو درے مارے اور محبوس کر دیا، اس کے بارے میں کسی نے سفارش کی تو آپ نے اسے پھر سو کوڑے مارے، پھر کسی نے بات کی تو آپ نے پھر

---

[1] السنن الکبریٰ - ۲/۱۵۷۔

[2] سنن الدارمی ۱/۵۱ بتحقیق عبداللہ ہاشم یمانی، نشر السنۃ ملتان

سو کوڑے مارے اور اسے شہر بدر کر دیا آپ نے اہل بصرہ کو فرمان تحریر کیا کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھیں [2]

عمال حکومت کا احتساب: حضرت عمر کارکنان حکومت کے معاملات کی پوری طرح دیکھ بھال کرتے تھے، ان کے معاملات پر نظر رکھتے تھے۔ حضرت عمر امراء اور عمال حکومت کی خفیہ طور پر بھی خبریں معلوم کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک مرتبہ آپ نے اپنے عامل کعب بن مالک کو تحریر کیا کہ "اپنی جگہ کسی کو قائم مقام مقرر کر کے تم سواد کے علاقے کے ہر شہر اور بستی میں جاؤ اور عاملوں کے حالات کی تحقیق کر کے مجھے مطلع کرو [3]

حضرت عمر کسی کو عامل مقرر کرنے سے قبل اس کے پاس موجود مال کی تفصیلات تحریر کر لیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر حساب کرتے کہ یہ کہاں سے آیا، یہ کہاں سے آیا [4]
عامر بن الصعق نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ عاملوں کے پاس مال بکثرت ہو گیا ہے آپ نے ان سب سے حساب کیا اور نصف مال ضبط کر لیا [5]

عمال حکومت کی جہاں کوئی بات شریعت سے متصادم ہوتی تو حضرت

---

[1] محمد رواس قلعجی موسوعہ فقہ عمر ۱۵۷۔ ۱۹۸۱ء۔ الکویت۔
[2] ایضاً ۱۷۱۔
[3] موسوعہ فقہ عمر ۱۱۱۔
[4] ایضاً ۱۱۲
[5] ایضاً ۱۱۱۔

عمر سختی سے نوٹس لیتے، حتی کہ اگر کوئی عامل مریض کی عیادت کو نہ جاتا اور کمزور و بے سہارا شخص کی اس تک رسائی نہ ہوتی تو ایسے عامل کو معزول کر دیا کرتے تھے [1]

حضرت عمرؓ کی جانب سے مصر پر عامل عیاض بن غنم باریک لباس زیب تن کرتے تھے اور دروازے پر دربان مقرر کیا ہوا تھا، حضرت عمر مدینہ کے کسی راستہ سے گزر رہے تھے، کہ کسی شخص نے ان کی شکایت کر دی امام ابو یوسف اس واقعہ کی ان الفاظ میں تفصیل بیان کرتے ہیں کہ:

کان عمر رضی اللہ عنہ اذا استعمل رجلا اشہد علیہ رھطا من الانصار وغیرھم، واشترط علیہ اربعا: ان لا یرکب برذونا، ولا یلبس ثوبا رقیقا، ولا یاکل نقیا، ولا یغلق بابا دون حوائج الناس، ولا یتخذ حاجبا. قال: فبینما ھو یمشی فی بعض طرق المدینۃ اذ ھتف بہ رجل: یا عمر اتری ھذہ الشروط تنجیک من اللہ تعالیٰ وعاملک عیاض بن غنم علی مصر وقد لبس الرقیق واتخذ الحاجب؟ فدعا محمد بن مسلمۃ وکان رسولہ الی العمال فبعثہ وقال: ائتنی بہ علی الحال التی تجدہ علیھا۔ قال فاتاہ فوجد علی بابہ حاجبا فاذا علیہ قمیص رقیق، قال: أجب امیر المومنین فقال: دعنی أطرح علیّ قبائی. فقال لا، الا علی حالک ھذہ، قال: فقدم

---

[1] ابو یوسف الخراج ص ۱۲۶

بہ علیہ، فلما رآہ عمر قال: انزع قمیصک، ودعا بمدرعة صوف وبربضة من غنم وعصا فقال: البس ھذہ المدرعة وخذ ھذہ العصا وارع ھذہ الغنم واشرب واسق من مر بک واحفظ الفضل علینا، أسمعت؟ قال: نعم والموت خیر من ھذا فجعل یرددھا علیہ الموت خیر من ھذا فقال عمر: ولم تکرہ ھذا وانما سمی ابوک غنما لأنہ کان یرعی الغنم، اتری یکون عندک خیر؟ قال: نعم یا أمیر المؤمنین. قال: انزع. وردہ الی عملہ، فلم یکن لہ عامل یشبھہ،" (۱)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گواہ بنا کر اس شخص سے چار شرائط کی پابندی کا عہد لیتے تھے یہ کہ وہ عمدہ خچر پر نہ سوار ہو گا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، اپنے دروازے بند کر کے لوگوں کی ضروریات سے بے نیازی نہ برتے گا اپنے دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

راوی کہتا ہے کہ ایک بار جب کہ آپ مدینہ کی کسی سڑک پر جا رہے تھے کسی شخص نے پکار کر آپ سے یہ کہا کہ "عمر" کیا خیال ہے تمہارا عیاض بن غنم کے مصر کا عامل رہتے ہوئے بھی کیا تمہاری یہ شرط اللہ کے حضور تمہیں بچا لیں گی درآں

لہ ابو یوسف کتاب الخراج، ص ۱۲۵، ۱۲۶- (فی تقبیل السواد)

حالیکہ وہ باریک کپڑے پہنتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان بھی رکھتا ہے۔

اب عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا، جو افسران تک آپ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے، اور انہیں مصر روانہ کیا آپ نے ان سے یہ کہا کہ "تم انہیں جس حال میں پاؤ اسی حال میں میرے پاس لے کر آؤ۔

راوی کہتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے تو ان کے دروازہ پر ایک دربان کو موجود پایا پھر اندر داخل ہوئے تو ان کے بدن پر ایک مہین قمیض نظر آئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ امیر المومنین کا بلاوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی قبا پہن لینے دو، یہ بولے کہ نہیں اسی حال میں چلو، چنانچہ وہ انہیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت عمر نے فرمایا کہ اپنی قمیض اتار دو پھر آپ نے موٹے اون کا ایک کرتا منگوایا اور بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور لاٹھی بھی منگوائی اور ان سے یہ فرمایا کہ، یہ کرتا پہنو، یہ لاٹھی لو، اور یہ بکریاں چراؤ ان کا دودھ خود بھی پیو اور راہ گیر دں کو بھی پلاؤ اور جو بچ رہے وہ ہمارے لیے محفوظ کر لو سن لیا تم نے؟ انہوں نے کہا ہاں (سن لیا) مگر موت آجانا اس سے اچھا ہے کہ ایسا کروں، آپ نے بار بار ان سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا اس سے بہتر ہے کہ موت آجائے۔ عمر نے ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ تمہارے باپ کا نام "غنم" اسی لیے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ کیا تم آئندہ بھلی روش اختیار کر سکو گے؟ انہوں نے جواب

دیا جی ہاں، یا امیر المومنین! اس پر آپ نے ان کو ان کے منصب پر بحال کر دیا۔
راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد عیاض بن غنم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تمام والیوں میں سب سے عمدہ والی بن گئے تھے۔)

امام ابو یوسف مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

كتب عمر رضى الله عنه الى عماله أن يوافوه بالموسم فوافوه فقام فقال: يا ايها الناس انى بعثت عمالى هؤلاء ولاه بالحق عليكم ولم استعملهم ليصيبوا من ابشاركم ولا من دمائكم ولا من اموالكم فمن كانت له مظلمة عند احد منهم فليقم قال: فما قام من الناس يومئذ الا رجل واحد فقال: يا امير المؤمنين عاملك، ضربنى مائة سوط فقال عمر: اتضربه مائة سوط؟ قم فاستقد منه: فقام اليه عمرو بن العاص فقال له: يا امير المؤمنين انك ان تفتح هذا على عمالك كبر عليهم وكانت سنته يأخذ بها من بعد: فقال عمر: الا اقيده منه وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقيد من نفسه؟ قم فاستقد فقال عمرو: دعنا اذا فلنرضه، قال فقال: دونكم. قال: فارضوه بأن اشتريت منه بمائتى دينار كل سوط بدينارين (۱)

---

(۱) کتاب الخراج ص ۱۲۵

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر آپ سے ملیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس موقع پر حاضر ہوئے اور آپ نے کھڑے ہو کر لوگوں سے یہ فرمایا: اے لوگو!

"میں نے اپنے ان عمال کو تم پر راست بازی کے ساتھ نگرانی کرنے کے لیے بھیجا ہے میں نے انہیں اس لیے عامل نہیں مقرر کیا ہے کہ یہ تمہارے جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کریں، لہٰذا جس کسی پر ان میں سے کسی نے کوئی ظلم کیا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔

راوی کہتا ہے کہ اس اعلان پر اس دن سارے عوام میں سے بجز ایک آدمی کے اور کوئی نہیں اٹھا اس آدمی نے کہا۔

"امیر المومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں حضرت نے دریافت کیا! کیا تم بھی اسے سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ ایسا ہے تو اٹھو اور اس سے قصاص لے لو۔

یہ سن کر عمرو بن العاص اٹھے اور انہوں نے آپ سے یہ کہا "امیر المومنین! اگر آپ اپنے عمال کے سلسلہ میں یہ پالیسی اختیار کریں گے تو یہ ان کو بہت شاق گزرے گی، اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گی جسے آپ کے بعد آنے والے (خلفاء) بھی اختیار کر لیں گے۔

حضرت عمر نے جواب دیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عامل سے اس شخص کا قصاص نہ لوں جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اسے آدمی اٹھ اور قصاص لے۔

پھر عمرو بن العاص نے کہا: اچھا تو ہمیں اس کی اجازت دیجیے کہ ہم اس کو کسی طرح راضی کر لیں۔

راوی کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور لوگوں نے اس شخص کو فی کوڑا دو دینار کے حساب سے دو سو دینار لے کر اپنا حق قصاص فروخت کر دینے پر راضی کر لیا

اسلامی حکومت میں مناصب کا مقصود و مطلوب

اسلام میں اختیار و اقتدار کے جملہ مناصب "معروف کے حکم اور "منکر" سے روکنے کے لیے ہیں

جميع الولايات انما مقصودها الامر بالمعروف والنهي عن المنكر (۱)

یعنی ہر منصب اور ہر اقتدار اسی لیے ہے کہ اس سے اللہ کا دین غالب ہو اور منکرات مٹا دیے جائیں، غرض اسلامی نظام کا ہر شعبہ زندگی اسلام کے فروغ و قیام اور خلاف اسلام امور کے استیصال کے لیے ہوتا ہے، اور ہر منصب کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ جو شخص بھی اس پر مامور ہو وہ اسی مقصد عظیم کے لیے کام کرے۔

لہ ابن تیمیہ۔ الفتاوی۔ ۲۸/۶۶/۷، طبع ۱۳۹۸ھ

محتسب کے فرائض: محتسب کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہے اور وہ یہ فریضہ ان امور میں انجام دے گا جو ولاۃ اور قضاۃ اور اہل دیوان کے ساتھ مختص نہ ہوں یعنی محتسب کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقررہ اوقات پر نمازیں قائم کرائے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو ضرب اور حبس کی سزا دے۔ ائمہ اور موذنین کی نگرانی کرے جمعہ اور جماعت سے نماز کی تاکید کرے۔ سچ بولنے اور امانت ادا کرنے کا حکم دے اور منکرات سے منع کرے۔ مثلاً جھوٹ اور خیانت سے روکے ناپ تول کی کمی کا سد باب کرے، اشیاء میں ملاوٹ سے باز رکھے، مصنوعات کے غیر معیاری ہونے کی روک تھام کرے اور معاملات خرید و فروخت میں دھوکہ نہ ہونے دے۔ احتکار اور ذخیرہ اندوزی سے روکے اور جہاں قیمتوں کا متعین کرنا ضروری ہو وہاں قیمتیں متعین کرے لہ

حسبہ ایک دینی فریضہ ہے: غرض حسبہ ایک دینی فریضہ اور ایک اسلامی منصب ہے صاحب الحسبہ یا محتسب کے فرائض کی نوعیت کافی حد تک قضاء سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی محتسب کا کام یہ ہے کہ وہ منکرات (سماجی اور اخلاقی برائیوں) کا پتہ لگائے ان کے مرتکب افراد کو ان کی لغزش کی مناسبت سے سرزنش یا تنبیہ کرے اور سزائیں دے۔

علامہ ابن خلدون نے محتسب کے فرائض ان الفاظ میں بیان کیے ہیں۔

اما الحسبة فهي وظيفة دينية من باب الامر بالمعروف

لہ ابن تیمیہ الفتاوی ۲۸/۶۰

والنهى عن المنكر الذى هو فرض على القائم بأمور المسلمين يعين لذلك من يراه اهلا له فيتعين فرضه عليه ويتخذ الاعوان على ذلك ويبحث عن المنكرات ويعزر ويؤدب على قدرها ويحمل الناس على المصالح العامة فى المدينة مثل المنع من المضايقة فى الطرقات ومنع الحمالين وأهل السفن من الاكثار فى الحمل والحكم على اهل المبانى المتداعية للسقوط بهدمها وازالة ما يتوقع من ضررها على السابلة والضرب على ايدى المعلمين فى المكاتب وغيرها فى الابلاغ فى ضربهم للصبيان المتعلمين ولا يتوقف حكمه على تنازع أو استعداء بل له النظر والحكم فيما يصل الى علمه من ذلك ويرفع اليه وليس له امضاء الحكم فى الدعاوى مطلقا بل فيما يتعلق بالغش والتدليس فى المعايش وفى المكاييل والموازين وله ايضا حمل المماطلين على الانصاف وامثال ذلك مما ليس فيه سماع بينه ولا انفاذ حكم وكانها احكام ينزه القاضى عنها لعمومها وسهولة اغراضها فتدفع الى صاحب هذه الوظيفة ليقوم بها فوضعها على ذلك ان تكون خادمة لمنصب القضا

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عبارت کا روزنتھال کا ترجمہ نقل کریں۔

The office of market Supervisor (Hisbah) is a religious position. It falls under the religious obligation "to command to do good and forbid to do evil," which rests with the person in charge of the affairs of the Muslims. He appoints to the position men whom he considers qualified for it. The obligation thus devolves upon the appointee. He may use other men to help him in his job. He investigates abuses and applied the appropriate punishments and corrective measures. He sees to it that the people act in accord with the public interest in the town (under his supervision). For instance, he prohibits the obstruction of roads. He forbids porters and boatsmen to carry too heavy loads. He orders the owners of buildings threatening to collapse, to tear them down and thus remove the possibility of danger to passersby. He prevents teachers in schools and other places from beating the young pupils too much. His authority is not restricted to cases of quarrels or complaints, but he (has to) look after, and rule on, everything of the sort that comes to his knowledge or is reported to him. He has no authority over

legal claims in general but he has authority over everything relating to fraud and deception in connection with food and other things and in connection with weights and measures. Among his duties is that of making dilatory debtors pay what they owe, and similar things that do not require hearing of evidence or a legal verdict, in other works, cases with which a judge would have nothing to do because they are so common and simple. (Such cases,) therefore, are referred to the person who holds the office of market supervisor to take care of them. 1

"حسبہ" کا ترجمہ روزنتھال نے OFFICE OF THE MARKET SUPERVISOR کیا ہے [٢]

جو حسبہ کا ایک شعبہ تو ہے مگر بعینہ حسبہ نہیں ہے کیونکہ حسبہ کا مفہوم "صاحب السوق" یا "عامل السوق" سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

بہرحال محتسب کے فرائض یہ ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے آداب اور فضائل کا تحفظ کرے، سوسائٹی میں احکام شریعت کی پیروی پر نظر رکھے،

---

1. Franz Rosenthal: English Trans. Muqaddimah, Vol. 1, p. 264, Princeton, 1958.

[٢] یہی ترجمہ شاخت نے کیا ہے، ملاحظہ کیجئے JOSEPH SHACHT: AN INTRODUCTION TO ISLAMIC LAW, p. 52, OXFORD, 1982.

بازاروں کے نظام کی دیکھ بھال کرے بازار میں لوگوں کو دکانیں آگے بڑھانے (تجاوزات) سے روکے تاکہ گزرنے والوں کے لیے رکاوٹ پیدا نہ ہو قرض داروں سے قرض دلوائے اوزان اور ناپ تول پر نظر رکھے کہ ان کے معیاری وزن میں کمی نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں، قیمتوں میں (بلا جواز) اضافہ کرنے والوں کو سزا دے، پڑوسیوں کو ایک دوسرے پر زیادتی سے روکے[١] غرض محتسب کا کام عام نظام (GENERAL ADMINISTRATION) پر نظر رکھنا تھا۔ اور جن جرائم میں فوری فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس کے دائرہ اختیار میں آتے تھے [٢]

الماوردی اور ابو یعلیٰ کی تحقیق

الماوردی اور ابو یعلیٰ کی الاحکام السلطانیہ کے نام سے مشہور تصانیف جو نام کے اشتراک کے ساتھ موضوع اور مضامین کے اعتبار سے بھی باہم مشابہ ہیں، ان دونوں حضرات نے احتساب کے طریقہ کار اور اس کے فرائض پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کو ہم مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں [٣]

---

[١] حسن ابراہیم حسن۔ تاریخ الاسلام ۱/۴۸۹۔ الطبعۃ السابعۃ ۱۹۶۴ء القاہرہ

[٢] ایضاً ۲/۳۱۶۔ ابن بسام نے اپنی تصنیف "نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبۃ" میں ان شعبوں کی تفصیل بیان کی ہے جو محتسب کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں چنانچہ کتاب کے دوسرے باب سے لے کر باب ایک سو اٹھارہ تک ان شعبوں کی تفصیل ہے گویا ابن بسام کے نزدیک احتساب ایک سو سترہ شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہے۔

[٣] الماوردی، الاحکام السلطانیہ۔ (الباب العشرون) ص ۲۴۰-۲۵۹ مصر، مصطفیٰ البابی، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۳ء

ابو یعلیٰ الاحکام السلطانیہ ص ۲۸۴-۳۰۸، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۴ء

محمد فاروق النبہان، نظام الحکم فی الاسلام ص ۶۷۸-۶۷۷، جامعۃ الکویت ۱۹۷۴ء

محتسب کے فرائض کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ امر بالمعروف

۲۔ نہی عن المنکر

امر بالمعروف کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ امور جو محض حقوق اللہ سے متعلق ہوں۔

۲۔ وہ امور جو حقوق العباد سے متعلق ہوں۔

۳۔ اور وہ امور جو ایک پہلو سے حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں اور دوسرے پہلو سے ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو۔

حقوق اللہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

اول۔ اجتماعی امور۔

دوم۔ انفرادی امور۔

اجتماعی امور کی مثال یہ ہے کہ بعض افراد وطن میں جمعہ کی نماز ترک کر رہے ہوں اور ان کی تعداد چالیس یا اس سے زائد ہو تو محتسب انہیں جمعہ قائم کرنے کا حکم دے سکتا ہے اور کوتاہی پر تادیب کر سکتا ہے۔

مساجد میں اذان کہنا اور باجماعت نماز پڑھنا ایسے اسلامی شعائر میں سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالاسلام اور دارالشرک میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے لہٰذا اگر کسی بستی یا محلہ کے سب مسلمان اپنی مساجد میں نماز باجماعت یا اذان چھوڑ دیں تو محتسب کے لیے مناسب ہے کہ ان کو اذان اور جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دے۔

دوم انفرادی امور مثلاً کسی شخص کا نماز میں تاخیر کرنا، محتسب کو چاہیئے کہ اسے یاد دلائے اور اگر اس نے محض سستی کی بناء پر تاخیر کی ہے تو اسے تادیب بھی کرے۔

حقوق العباد سے متعلق امر بالمعروف کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عام

۲۔ خاص

عام کی مثال یہ ہے کہ کسی شہر کی نہر وغیرہ بند ہو جائے یا شہر پناہ گر جائے یا حاجت مند مسافر گزریں اور ان کی اعانت نہ ہو ایسی صورت میں اگر بیت المال میں سرمایہ موجود ہو اور اس کے خرچ کرنے سے مسلمانوں کو مضرت نہ پہنچے تو اس سے نہر کی اصلاح اور شہر پناہ کی تعمیر اور مسافروں کی حاجت روائی کا حکم دے کیونکہ یہ حقوق بیت المال پر واجب ہیں ان لوگوں پر نہیں ہیں یہی حکم مساجد کے منہدم ہونے کا ہے۔

جو مساجد لوگوں کے اپنے مصارف سے بنائی گئی ہوں وہ اگر ان کو اصلاح و مرمت کے لیے گرا دیں اور پھر ان کی تعمیر نو میں کوتاہی کریں تو محتسب انہیں ان کی تعمیر نو کا حکم دے سکتا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مشترک امور یہ ہیں۔

۱۔ محتسب لوگوں کو ان کی زیر کفالت یتیم بچیوں کے نکاح کا حکم دے۔

۲۔ شوہر کی وفات یا طلاق کی صورت میں عورتوں کو عدت گزارنے کا حکم دے۔

۳۔ مالکوں کو پابند کرے کہ وہ ملازمین کے حقوق ادا کریں اور ان پر ان کی قوت سے زیادہ بار نہ ڈالیں۔

۴- باربرداری کرنے والوں کو اس بات کا پابند کرے کہ وہ جانوروں پر ان کی قوت سے زیادہ بوجھ نہ لادیں۔

۵- اگر کسی کو کہیں سے لاوارث بچہ مل جائے، تو محتسب اسے اس کی پوری طرح دیکھ بھال و [illegible] کرے۔

نہی عن المنکر کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) حقوق اللہ سے متعلق۔

(۲) حقوق العباد سے متعلق۔

(۳) اور دونوں سے متعلق۔

ازاں بعد حقوق اللہ سے متعلق نہی عن المنکر کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عبادات سے متعلق۔

(۲) حقوق (شرعی ممنوعات) سے متعلق۔

(۳) اور معاملات سے متعلق۔

عبادات سے متعلق منکرات جن میں محتسب مداخلت کر سکتا ہے یہ ہیں۔

۱- کوئی شخص احکام شریعت اور عبادت کے مسنون اوصاف میں رد و بدل کرے، مثلاً سری نماز کو جہر کے ساتھ پڑھے، یا جہری نماز کو سر کے ساتھ پڑھے محتسب کو چاہیئے کہ اگر وہ عمل کسی امام کا واجب التقلید قول نہ ہو تو مرتکب کو روکے اور معاند کو سزا دے۔

۲- ایسا شخص جو اپنے لباس، جسم اور نماز کی جگہ کی پاکی کے سلسلے میں کوتاہی برتے

۳- رمضان المبارک میں بغیر سفر یا مرض کے افطار کرے۔

۴- جس شخص پر اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ واجب ہو اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے تو محتسب جبراً وصول کرے اور کوتاہی کرنے والے کو سزا دے۔ جب کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر نظر رکھنا محتسب ہی کا کام ہے۔

۵- اگر کسی کو صدقہ مانگتے ہوئے دیکھے اور محتسب کو اس کے حالات سے اس کا غنی ہونا معلوم ہو تو روک دے اور تادیب کرے اس تادیب کا حق عامل صدقہ کی بہ نسبت محتسب کو زیادہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو تادیب فرمائی ہے۔ اگر ظاہری حالت سے غنی ہونا معلوم نہ ہو اور لوگوں سے سوال کرتا پائے تو اس کو بتلائے کہ غنی کو سوال کرنا حرام ہے۔ مگر منع نہ کرے ممکن ہے باطناً فقیر ہو۔

اگر ایسا مضبوط و توانا شخص جو کام کر سکتا ہو سوال کرتا ہوا ملے تو محتسب کو چاہیئے کہ اسے روکے اور سعی و محنت سے روزی حاصل کرنے کا حکم دے اگر پھر بھی سوال کرتا رہے تو تعزیری سزا دے۔

۰- نااہل اور جاہل شخص کو علمی باتیں کرنے سے روکنا اور تقریر و وعظ سے منع کرنا محتسب کا کام ہے بلکہ اگر اس کے علم و تقوی کے بارے میں معلوم نہ ہو تو ایسے شخص کا امتحان لے سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حسن بصری کے پاس سے گزرے وہ لوگوں سے علمی باتیں کر رہے تھے آپ نے ان کا امتحان

پوچھا فرمایا دین کا ستون کیا ہے حسن نے عرض کی کہ "ورع" حضرت علی رضی اللہ نے دریافت فرمایا کہ کون سی بات ایسی ہے جو انسان کے دین کی آزمائش بن جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ "طمع"۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ بیان کر سکتے ہیں۔

۔ اگر کوئی مفسر قرآن کی ظاہری تاویل سے عدول کر کے بتکلف نئے معنی گھڑ کر بیان کرے یا کوئی راوی منکر احادیث روایت کرنے میں منفرد ہو اور دل ان سے متنفر ہوں تو اس کو روکنا اور منع کرنا محتسب کا فرض ہے۔ اس صورت میں محتسب کو روکنے کا اس وقت حق ہے جب کہ خود عالم ہو اور حق و باطل معانی و روایات سے واقف ہو یا علمائے عصر بالاتفاق اس کا ابطال کریں اور اس کے قول کو بدعت کہیں اور محتسب کو توجہ دلائیں تو ان کے بالاتفاق قول پر اعتماد کر کے منع کرے۔

"محظورات" (شرعی ممنوعات) سے متعلق منع کرنے کی بھی یہی صورت ہے کہ لوگوں کو محل شبہ اور تہمت سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ایسا امر اختیار کرو جو شبہ سے بالاتر ہو اور ایسے امر کو ترک کرو جس میں شبہ ہو"۔

تادیب میں جلدی نہ کرے اس سے پہلے منع کرنا چاہیے۔ ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عورتوں کے ساتھ پھرنے کی ممانعت کر دی تھی۔

محظورات (شرعی ممنوعات) جب تک ظاہر نہ ہوں محتسب خود ان کی تفتیش نہ کرے، یہ کہ اس کو کسی بُرے کام کے ارتکاب کی تیاری کے بارے میں معلوم ہو جائے تو اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ غیر شرعی امور مثلاً زنا بیع فاسد یا اور کسی نامشروع فعل پر دونوں متعاقد (معاملہ کرنے والے) رضامند ہو جائیں تو اگر فعل بالاتفاق ممنوع ہو تو محتسب پر ان کو شرم دلانا اور روکنا واجب ہے تادیب میں بحیثیت شدت حرمت اور عدم شدت فرق رکھے۔

معاملات خرید و فروخت اور سکوں میں پر فریب اور دھوکہ دہی کی تمام صورتوں کا محتسب انسداد کرے اور حسب ضرورت تادیب کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں ہے"

اگر ایسا فریب ہو جو خریدار کے لیے نقصان دہ ہو اور مشتری کو اس کا علم نہ ہو سکے تو ایسے فریب کی حرمت شدید اور گناہ عظیم ہے۔ مجرم کو سخت سزا دی جائے اور اگر مشتری (خریدار) کو پہلے سے علم ہو تو اس کا گناہ خفیف ہے ایسی صورت میں نرمی سے روکا جائے اور مشتری کے متعلق دریافت کیا جائے اگر وہ فروخت کرنے کے لیے خریدتا ہے تو بائع کے ساتھ وہ خریدنے کا مجرم ہے کیوں کہ ممکن ہے وہ کسی ایسے شخص کو فروخت کرے جو اس کی خرابی سے ناواقف ہو اور اگر اپنے استعمال کے لیے خریدے تو وہ مجرم نہیں صرف بائع کو تنبیہ کی جائے یہی حکم "ثمن" سکوں میں کھوٹ ملانے کا ہے

بعض لوگ جانور کو فروخت کرنے سے پہلے اس کا دودھ دوہنا ترک کر دیتے

ہیں تاکہ نقش بڑھ جائیں یہ بھی ایک طرح کی فریب کاری ہے اس سے روک دے۔

محتسب کا یہ اہم فریضہ ہے کہ ناپ تول اور پیمائش میں کمی کرنے کا قطعی انسداد کرے اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت وعید بیان فرمائی ہے اس پر سخت سزا دے اور سب کے سامنے دے اگر کسی کے باٹ یا پیمانے کے کم ہونے کا خدشہ ہو تو اس کا امتحان کرے اور ملا کر دیکھے اور جس باٹ یا پیمانے سے ملائے اگر وہ محتسب کا مہر شدہ ہو اور سب کو حکم ہو کہ اس کے ساتھ معاملات کیا کریں تو یہ زیادہ بہتر اور احتیاط کی صورت ہے پس اگر کوئی غیر مہر شدہ کے ساتھ معاملہ کرتا ہوا پایا جائے اور وہ کم ہو تو اس کو دو جرموں کی سزا دی جائے ایک غیر مہر شدہ کو استعمال کرنے کی سزا اور یہ سزا بحق سرکار ہے۔ اور دوسرے کم تولنے یا کم ناپنے کی سزا۔ اور یہ سزا بحق شریعت ہے اور اگر غیر مہر شدہ سے کم نہ ہو تو سرکاری حکم کے خلاف کرنے پر صرف بحق سرکار سزا کا مستحق ہو گا۔

اگر کوئی شخص سرکاری مہر شدہ کی شکل پر جعلی باٹ یا پیمانہ بنائے تو وہ جعلی درہم و دینار بنانے والے کی طرح مجرم ہے اگر ناقص بھی ہے تو دو حیثیت سے سزا کا مستحق ہے ایک جعلسازی کی بنا پر بحق سرکار دوسری ناقص رکھنے کی وجہ سے بحق شریعت اور یہ سزا پہلی سے سخت ہونی چاہیئے اور اگر جعلسازی کی ہو مگر کمی نہ کی ہو تو صرف بحق سرکار سزا دی جائے۔

جو منکرات محض حقوق الناس سے متعلق ہیں ان کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ہمسائے کی حد یا مکان کے صحن میں کچھ تعمیر کرے یا اس کی دیوار پر شہتیر رکھے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ استغاثہ نہ کرے محتسب کوئی دخل نہ دے۔

کیوں کہ یہ اس کا اپنا حق ہے معاف بھی کر سکتا ہے اور مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر استغاثہ کرے اور فریق مخالف اس کا انکار کرے تو محتسب اس کا حق دلوائے۔ جب کہ فریق مخالف کے انکار کی صورت میں یہ دائرہ اختیار قاضی کا ہے محتسب کا نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اجیر پر زیادتی کرے مثلاً اجرت کم دے یا کام زیادہ لے تو محتسب اسے ایسا کرنے سے باز رکھے۔ اور اگر زیادتی اجیر کی طرف سے ہو مثلاً کم کام کرے اور اجرت زیادہ مانگے تو اس کو بھی باز رکھے اور اگر ایک دوسرے کی بات کا انکار کریں تو یہ دائرہ اختیار محکمہ احتساب کا نہیں بلکہ قضاء کا ہے۔

تین قسم کے پیشہ وروں کی نگرانی بھی محتسب سے متعلق ہے۔

۱۔ وہ جن کے کام میں افراط و تفریط کا اندیشہ ہو جیسے طبیب اور معلم، طبیب کی پیشہ ورانہ کوتاہی انسانی جان کے لیے نقصان دہ اور معلم کی کوتاہی انسانی سیرت و کردار کے لیے مضرت رساں ہے۔

۲۔ دوسرے وہ پیشہ وران جن کے کام میں امانت و خیانت کا پہلو موجود ہو مثلاً سنار، کپڑا بُننے والے اور تمام حرفتوں اور ہنر والے محتسب ان کی امانت و دیانت پر نظر رکھے اور ہر طرح کی خیانت سے باز رکھے۔

اس سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ ان کا انتظام محکمہ پولیس سے متعلق ہو تو بہتر ہے اور بظاہر یہ رائے صحیح بھی ہے کیوں کہ خیانت سرقہ کے تابع ہے۔

۳۔ تیسری قسم ایسے ہنرمندوں کی ہے جن کے کام میں عمدگی اور رداءت (خرابی)

کا پہلو ہو، تو محتسب کو چاہیئے کہ ان ہنرمندوں کو عمدہ کام کر کے دینے کا پابند کرے۔ اور عدم تعمیل کی صورت میں مواخذہ کرے اور تاوان دلوائے

وہ امور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مشترک ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ لوگوں کے گھروں کی طرف جھانکنے کی ممانعت کی جائے۔ جس کا مکان بلند ہو اس پر اگرچہ اپنی چھت کی چار دیواری بنانا لازم نہیں ہے لیکن یہ لازم ہے کہ دوسروں کی طرف نہ جھانکے۔

اگر آجر اجیر سے اس قدر کام لے جس کو سرانجام دینے کی اس میں قدرت نہ ہو تو اگر محتسب کے پاس مرافعہ نہ کرے تو محتسب آجر کو نصیحت کرے اور اگر آجیر مرافعہ کرے تو محتسب آجر کو ممانعت کر کے اس کو ایسا کرنے سے باز رکھے۔

مویشی پر ان کی قدرت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے بھی روکے اگر لوگ بوقت ضرورت سڑک پر اپنی چیزیں یا سامان عمارت ڈالیں تا کہ وہاں سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد منتقل کریں اور اس سے چلنے والوں کو مضرت نہ ہو تو ایسا کرنے کی اجازت ہے اگر مضرت پہنچے تو ممانعت کر دی جائیگی اسی طرح چھجے نکالنے، بالکونی بنانے، پرنالے نکالنے، گندے پانی کی نکاسی کے گڑھے بنانے کا حکم ہے مضرت نہ ہو تو رہنے دے اور مضرت ہو تو ممانعت کر دے۔ اور مضرت و عدم مضرت محتسب اپنے اجتہاد سے معلوم کرے کیوں کہ اس اجتہاد کا تعلق عرف سے ہے۔ شریعت سے نہیں ہے۔ شرعی اجتہاد وہ ہے جو اصل حکم شریعت سے ثابت ہو جب کہ عرفی اجتہاد اسے کہتے ہیں۔ جس کا حکم عرف پر مبنی ہو اور یہ فرق ان مثالوں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے جن میں محتسب کو اجتہاد روا ہے اور جن میں نہیں ہے۔

احتساب، مظالم اور قضا میں فرق

الماوردی اور ابو یعلی نے احتساب مظالم اور قضاء کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ احتساب دو امور میں "قضاء" کے برابر ہے۔ دو امور میں اس کا مرتبہ قضاء سے کم ہے اور دو امور میں قضاء سے زائد ہے۔

جن دو امور میں احتساب قضاء کے مساوی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حقوق العباد سے متعلق تین قسم کی دعاوی محتسب کے یہاں دائر کئے جا سکتے ہیں اور محتسب ان کی سماعت کر سکتا ہے۔

۱۔ ناپ تول یا پیمائش میں کمی یا دھوکہ کا دعویٰ۔

۲۔ فروخت کی جانے والی اشیاء میں ملاوٹ اور دھوکہ کا دعویٰ۔

۳۔ مقروض کا باوجود قدرت کے قرض ادا نہ کرنے کا دعویٰ۔

دوسرا امر جس میں احتساب قضاء کے برابر ہے یہ ہے کہ جن حقوق سے متعلق محتسب کو سماعت کا اختیار ہے ان میں حق ثابت ہونے کے بعد محتسب مدعا علیہ کو ادائے حق پر مجبور کرے اور اس سے یہ حق، صاحب حق کو ادا کروا دے، کیوں کہ حق کی ادائیگی میں تاخیر بھی "منکر" (برائی) ہے اور محتسب کا منصب ہی اس لیے ہے کہ وہ منکر کا ازالہ کرے۔

جن دو امور میں "احتساب" کا درجہ قضا سے کم ہے وہ یہ ہیں کہ،

اولاً محکمہ احتساب "صرف ظاہری منکرات کے سدباب کیلئے ہے اور عام دعاوی کی سماعت کا اسے اختیار نہیں ہے۔

دوم یہ کہ محکمہ احتساب" کے دائرہ اختیار میں وہ جرائم آتے ہیں جن میں مجرم اعتراف

جرم کرلے، عدم اعتراف جرم کی صورت میں معاملہ قضائے کے دائرہ اختیار میں آئے گا نہ کہ احتساب کے۔

جن دو باتوں میں محکمہ احتساب محکمہ قضائے سے زائد ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ محتسب خود تلاش وتجس کرکے ایسے معاملات پر گرفت کرسکتا ہے جو امر بالمعروف اور "نہی عن المنکر" سے متعلق ہوں اور فریضہ احتساب کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی اگر دعوی کرے۔ جب کہ قاضی ایسا نہیں کرسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ محتسب اپنے فرض منصبی کو انجام دینے اور ازالہ منکرات میں سلطنت کے دباؤ اور سختی کو کام میں لاسکتا ہے ایسا کرنے سے جابر وظالم نہیں ہوتا اور قاضی کا منصب عدل وانصاف ہے اس لیے اسے اپنے فرائض کی انجام دہی میں تحمل اور وقار سے کام لینا چاہیئے۔

محکمہ احتساب اور محکمہ مظالم میں مشابہت بھی ہے اور فرق بھی۔

مشابہت دو حیثیت سے ہے ایک تو یہ کہ ان دونوں کی وضع میں سلطنت کا مخصوص رعب اور ہیبت داخل ہے دوسری یہ کہ ان دونوں محکموں کو از خود کھلم کھلا تعدی کا روکنا اور نیک چلنی اور امن قائم کرنا جائز ہے۔

اور فرق بھی دو حیثیت سے ہے پہلی یہ کہ محکمہ مظالم ان امور کے لیے ہے جن کی انجام دہی سے قاضی عاجز ہوں اور محکمہ احتساب ان امور کے لیے جن سے قاضیوں کو روک دیا جائے یہی وجہ ہے کہ والی مظالم کا رتبہ اعلیٰ ہے اور محتسب کا رتبہ ادنیٰ لہذا والی مظالم قاضی اور محتسب کو فرمان بھیجے تو جائز ہے اور قاضی والی مظالم کو فرمان نہیں بھیج سکتا محتسب کو بھیج سکتا ہے اور محتسب ان دونوں میں سے کسی

کو نہیں بھیج سکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ والی مظالم فیصلہ کرسکتا ہے اور محتسب فیصلہ نہیں کرسکتا۔

امام غزالیؒ کی رائے

امام غزالیؒ تاریخ اسلام کی ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کی وسیع النظری کی نظیر تلاش کرنا بھی دشوار ہے۔ چند ہی ہستیاں ہوں گی جن کو بلاتردد ان کی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہو، ان کی تصنیف احیاء علم الدین یوں تو علم الاخلاق اور تصوف کے زمرے میں شمار ہوتی ہے مگر اسلامی علوم کے بیشمار پہلو ہیں جن کے بارے میں یہاں بڑے پتہ کی بات مل جاتی ہے انہوں نے جہاں جو بات کہہ دی اپنے موضوع پر وہی سنگ میل قرار پائی۔ انہوں نے اپنے مخصوص اسلوب بیان میں "احتساب" پر بھی کلام کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان کی تحقیق کو بیان کردیا جائے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ،

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر فریضہ ہے جس پر پورے دین کی اساس قائم ہے اس کام کو نظر انداز کردینا اور ترک دینا نبوت کو معطل کردینا اور "دین" کا نظام ضائع کردینا اور دیانت کو ختم کردینا ہے۔ یہ ایسی صورت حال ہے جس میں جہالت وفساد کا پھیل جانا اور انسانی معاشرے کا تباہ ہوجانا یقینی ہے [۱]

حسب (احتساب) ایسا جامع عنوان ہے جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمام پہلو سما جاتے ہیں [۲] اور وہ تمام برائیاں جو موجود اور ظاہر ہوں اور محتسب

---

[۱] الغزالی، احیاء علم الدین ۲۰/۳۰۶۔ طبع بیروت۔

[۲] ایضاً ص ۳۱۲

کو بغیر تجسس اور اجتہاد کے معلوم ہو جائیں کہ یہ منکر ہیں۔ حسبہ میں داخل ہیں۔

وہ امور جن پر احتساب جاری ہوتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جن امور میں احتساب ہونا چاہیئے
ان کی چار شرائط ہیں۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جس امر پر احتساب ہو وہ "منکر" ہونا چاہیئے اور منکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ "ایسی صورت حال جس میں واقع ہونا ازروئے شریعت ناپسندیدہ اور ممنوع ہو" اس مقام پر "معصیت" کے بجائے منکر کا لفظ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ "منکر کا لفظ "معصیت" کے لفظ سے زیادہ عام اور زیادہ وسیع ہے۔ مثلاً" بچہ اگر شراب پی رہا ہو تو یہ معصیت نہیں ہے مگر "منکر" ضرور ہے اسی طرح اگر مجنون کسی برائی کا ارتکاب کرے تو یہ "معصیت" نہیں ہے منکر ہے۔ (اس لیے کہ بچہ اور مجنوں مکلف نہیں ہیں اور معصیت کا صدور مکلف شخص سے ہوا کرتا ہے:

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس وقت "منکر" کا احتساب کیا جا رہا ہو اس وقت وہ موجود ہو یعنی اس منکر پر احتساب نہیں ہوگا۔ جو ماضی میں ہو چکا ہو یا جس کا مستقبل میں کیئے جانے کا ارادہ ہو۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ "منکر" ظاہر ہو اور محتسب کو اس لیے تجسس نہ کرنا پڑے۔ جو شخص اپنے گھر میں چھپا کر کوئی گناہ کر رہا ہو تو اس کا تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔
روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کے گھر کی دیوار پر سے اتر کر اندر گئے اور کسی برائی میں مصروف دیکھ کر سرزنش کی۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں

نے اللہ کی نافرمانی ایک پہلو سے کی ہے اور آپ نے تین پہلوؤں سے کی ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ تجسس نہ کرو اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہو، اور آپ دیوار پر سے آگئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب کسی کے گھروں میں جاؤ تو سلام کرو۔ اور آپ نے سلام نہیں کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے درگزر کیا اور اسے توبہ کی تاکید کی۔ حضرت عمر نے اس واقعہ کی بنا پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا اگر امام خود کسی کو حد کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو وہ حد جاری کر سکتا ہے۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ حد کا معاملہ دو عادل گواہوں کی گواہی پر موقف کیا گیا ہے۔ اس لیے تنہا امام کا سزا دینا درست نہ ہوگا۔

کسی منکر کے ظاہر ہونے یا پوشیدہ ہونے کی حدود اس طرح واضع کی جا سکتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اندر جا بیٹھے تو کسی معصیت کا پتہ لگانے کے لیے اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا درست نہیں ہے البتہ اگر گھر سے باہر کے لوگوں کو گھر کے اندر ہونے والی معصیت کا علم ہو جائے تو یہ معصیت ظاہر ہو جائے گی۔ اور اس کا احتساب کیا جائے گا۔ مثلاً گانے بجانے کی آوازیں باہر سنی جائیں، یا شراب کے نشہ میں لوگ جس طرح کا شور کرتے ہیں۔ اس طرح کا شور باہر سنا جائے، یا کسی شخص کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی جائے تو ان صورتوں میں احتساب کیا جائے گا، اس لئے کہ بو کا آنا ظن غالب ہے اور علم کے درجہ میں ہے، اس لیے یہ معصیت پوشیدہ نہیں رہی بلکہ ظاہر ہو گئی۔ اور ظاہر برائی کے مٹانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس ظاہر ہو جانے کو آنکھوں سے دیکھنے

کی صورت میں منحصر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس میں جملہ حواس خمسہ کی دلالتیں شامل ہیں کیوں کہ ان سب سے علم ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس امر کا منکر ہونا معلوم اور متعارف ہو اور یہ جاننے کے لیے کہ یہ منکر ہے یا نہیں ہے، اجتہاد کی ضرورت نہ ہو، اگر اجتہاد کی ضرورت ہو تو ایسے کسی امر میں احتساب نہیں ہے۔

محتسب کے فرائض کا خلاصہ

الماوردیؒ، ابو یعلیؒ، ابن تیمیہؒ، الغزالیؒ اور ابن بسام نے محتسب کے فرائض کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، اور جن کا کافی بیان پہلے آچکا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کر دیا جائے۔

محتسب کے اہم فرائض یہ ہیں۔

۱۔ عبادات کی نگرانی

محتسب اس بات پر نظر رکھے گا کہ عبادات و فرائض بخوبی انجام دیئے جا رہے ہیں اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی جا رہی ہے، بلکہ ادائے نماز اور ادائے زکوٰۃ نماز باجماعت، مساجد کی صفائی، نظامت اور انتظام وغیرہ تمام امور عمدگی سے پورے کیئے جا رہے ہیں۔ محتسب صرف فرائض ہی کی دیکھ بھال نہیں کرے گا بلکہ وہ مستحبات اور مندوبات پر بھی نظر رکھے گا۔ مثلاً نماز کی بر وقت ادائیگی وغیرہ۔

۲۔ آداب عامہ کی نگرانی۔

جو امور آداب کے برخلاف ہوں محتسب لوگوں کو ان سے باز رکھے گا۔ مثلاً

خواتین کے لیے مخصوص بازاروں میں مردوں کے داخلہ کو روکے گا، ایسے ہی حمام وغیرہ میں کسی بے حیائی کی بات کے ارتکاب سے باز رکھے گا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی کسی بات کا مرتکب پایا جائے تو محتسب اسے تعزیری سزا دے گا[1]

۲۔ صحت عامہ کی نگرانی۔

الف۔ محتسب کا کام ہے کہ اطباء سے عہد لے کہ وہ کسی کو نقصان دہ دوا نہیں دیں گے۔ کسی کو زہر فراہم نہیں کریں گے، عام لوگوں کو دوا کے نسخے نہیں بتائیں گے اور مردوں کو قطع نسل اور عورتوں کو اسقاط کی دوائیں نہیں دیں گے۔

جو شخص طب کا علم نہ رکھتا ہو وہ طبابت نہ کرے۔ اگر ایسا شخص طب کا کام کرے تو محتسب اسے سزا دے اور وقتاً فوقتاً ماہر طبیبوں کے ذریعہ طب میں مشغول اصحاب کا امتحان کرائے۔ ماہرین چشم اور جراحوں پر محتسب نظر رکھے کہ کوئی ناتجربہ کار اور نااہل اس کام میں مشغول نہ ہونے پائے[2]

ب۔ محتسب اس امر کی نگرانی کرے کہ حمام صاف ستھرے ہوں ان میں نظافت اور صفائی کا پورا انتظام ہو اور خوشبو بھی جلائی گئی ہو اسی طرح شہر کی صفائی اور نظافت کی نگرانی کرے۔ کسی جگہ گندہ پانی یا غسل کا پانی ٹھہرنے نہ پائے

۳۔ خوردنی اشیاء کی نظافت۔

تمام خوردنی اشیاء کی صفائی اور نظافت پر نظر رکھنا محتسب کا اہم فریضہ ہے۔ ان میں کسی طرح کی ملاوٹ اور فریب نہ ہونے پائے، خوردنی اشیاء فروخت کرنے والے

---

[1] نظام الحکم فی الاسلام ص ۷۰۰ بحوالہ نہایۃ الرتبہ
[2] ایضاً ص ۷۰۲۔

ان اشیا کو گرد و غبار اور مکھیوں سے بچائیں اور ہر شے ڈھکی ہوئی ہو، سالن وغیرہ کا مطلوبہ معیار پورا ہو۔ اور صحیح طور پر کھانے پکائے گئے ہوں ۱؎

۴۔ بازاروں کی نگرانی

ہر طرح کے ناپ تول کے پیمانوں کی نگرانی اور اس امر کا سد باب کہ کسی طرح کا فریب اور دھوکہ نہ ہو سکے۔ محتسب کا فریضہ ہے۔

الف۔ محتسب بازار میں ہر پیشہ سے متعلق اس کا جاننے والا اپنا نائب مقرر کر دے جو اسے ان لوگوں کے دھوکہ فریب اور چالوں سے آگاہ کرے تاکہ ان کا سد باب کیا جا سکے۔ اور بازاروں کی صفائی اور نظافت کا بندوبست کرائے ۲؎

ب۔ عام راستے اور مکانات۔ اس امر کی نگرانی کرنا بھی محتسب کے فرائض میں داخل ہے کہ لوگ اپنے گھروں کے چھجے مقررہ حدود سے باہر نہ نکالیں۔ ان کے گھروں کے پرنالے سڑک پر نہ گریں اور ان کے گھروں کی باہر آنے والی نالیاں صاف اور ڈھکی ہوئی ہوں ۳؎

ج:۔ اوزان اور پیمانے

تمام اوزان اور پیمانوں کی جانچ پڑتال بھی محتسب کا کام ہے کہ کہیں کوئی فریب دہی واقع نہ ہو کوئی تاجر اوزان اور پیمانوں میں کسی طرح کی فریب کاری نہ کرنے پائے

۱؎ ایضاً ۷۰۔

۲؎ ،، ۷۰۔۷۰۔

۳؎ ،، ۷۰۔

۵۔ تجارتی معاملات کی نگرانی۔

الف۔ فاسد معاملات

معاملات اور خرید و فروخت کے معاملوں پر نظر رکھنا بھی محتسب کے فرائض میں سے ہے۔ محتسب کو ناجائز اور غیر شرعی معاملات کرنے والوں کو تنبیہہ اور تادیب کرنی چاہیئے۔

ب۔ ذخیرہ اندوزی اور احتکار سے باز رکھنا بھی محتسب کا فریضہ ہے۔ اور محتسب کو چاہیئے کہ وہ ذخیرہ اندوز کو ذخیرہ کی ہوئی اشیا کی فروخت کرنے کا حکم دے اور اس پر مجبور کرے ۱؎

۶۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر مامور افراد کی نگرانی۔

محتسب بچوں کی تعلیم و تربیت پر مامور اساتذہ کی نگرانی بھی کرے اور معلم کی سیرت و کردار پر نظر رکھے اور اس امر کا خیال رکھے کہ باکردار افراد بچوں کو تعلیم دیں اور اس سلسلے میں حسب ذیل امور ملحوظ رکھے۔

الف۔ مسجد کے نماز کے حصوں میں بچوں کو تعلیم نہ دی جائے کہ اس امر کا احتمال ہے کہ بچے مسجد کی بے حرمتی کریں یا مسجد کی صفائی اور نظافت پر اثر انداز ہوں۔

ب۔ اساتذہ بچوں کو قرآن کریم سکھائیں اور دینی اور اخلاقی تعلیم دیں۔

ج۔ اساتذہ بچوں کی اخلاقی تربیت کریں اور انہیں نماز کی عادت ڈالیں اور خود ان کے سامنے اپنے آپ کو حسن سیرت و عمل کا نمونہ بنا کر پیش کریں۔

۱؎ نظام الحکم فی الاسلام ص ۱۰۷ بحوالہ نہایۃ الرتبہ ص ۱۲۔

د ۔ اساتذہ بچوں کو والدین کے آداب و احترام کی تعلیم دیں۔

ہ ۔ اساتذہ بچوں کو جسمانی سزا نہ دیں۔

ز ۔ اساتذہ بچوں سے اپنی ذاتی خدمت نہ لیں [1]

اجتماعی مصالح کی نگرانی اور حفاظت

محتسب اجتماعی مصالح کی دیکھ بھال اور ان کے تحفظ کا خیال رکھے گا اور اس امر کی نگرانی کرے گا کہ کسی کے جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی نقصان نہ پہنچے اس سلسلے میں وہ درج ذیل امور کی نگرانی کرے گا۔

۱۔ لوگ اپنی بلند منزل کی چھتیں اس طرح استعمال نہ کریں کہ قرب و جوار کے لوگ اس سے تکلیف محسوس کریں۔

۲۔ جو عمارتیں عام لوگوں کے استعمال میں آتی ہیں، محتسب ان کی حفاظت اور تعمیر کی نگرانی کرے گا اسی طرح نہروں اور راستوں وغیرہ کی مرمت و اصلاح کی تاکید کرے گا۔

۳۔ اجیروں کے حقوق کی حفاظت کرے گا کہ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور انہیں مناسب اجرت دی جائے۔

۴۔ جانور رکھنے والوں کو اس امر کا پابند کرے گا کہ وہ ان کی مناسب دیکھ بھال کریں۔

۵۔ اگر والدین یا ولی استطاعت ہونے کے باوجود لڑکیوں کی شادی میں غیر ضروری تاخیر کریں تو انہیں ان کے نکاح کی تاکید کرے گا۔

---

[1] نظام الحکم ص ۱۱۷، بحوالہ نہایۃ الرتبہ ص ۱۰۳

۶۔ بغیر کسی مجبوری کے دست سوال دراز کرنے والے کو اس برے کام سے باز رکھے گا

۷۔ واعظوں کی نگرانی کرے گا کہ ایسے لوگ جنہیں دین اور احکام شریعت سے کماحقہ آگاہی نہیں ہے وہ بیان نہ کریں، اسی طرح گمراہی اور بدعتوں کا پرچار کرنے والے اور خیالی قصے بیان کرنے والوں کو وعظ و تقریر سے منع کرے گا۔

۸۔ مزدوروں کے حقوق کا تحفظ اور انہیں مالک کی ناانصافیوں سے بچانا۔

۹۔ امام مسجد کو تاکید کرنا کہ وہ نماز زیادہ لمبی نہ پڑھائے۔

۱۰۔ محتسب ایسی مجالس کا بندوبست کرے گا جن میں وہ حاکموں اور حکمرانوں کو نصیحت کرے کہ وہ رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور انصاف سے پیش آئیں۔

۱۱۔ قاضیوں کو جلد فیصلے کی تاکید کریگا اور یہ کہ وہ ہر طرح کے مقدمات سنیں اور لوگوں کے معاملات سننے سے گریز نہ کریں [1]

محتسب کے تادیبی اختیارات

محتسب کے وسیع فرائض کے پیش نظر ضروری ہے کہ اسے مناسب اور ضروری تادیبی اختیارات حاصل ہوں اس لیے محتسب کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نائب مقرر کرے اور ایسے باخبر لوگوں کی جماعت اپنے ساتھ رکھے جو ان متنوع پہلوؤں میں اس کی مدد کر سکیں۔ گویا "احتساب" ایک ایسا عظیم ادارہ ہے جس کے تحت معاشرے کی اخلاقی، دینی اور اقتصادی حالت پر نظر

---

[1] نظام الحکم فی الاسلام ۱۲۷/۱۳۷

رکھی جاتی ہے، ان میں پیدا ہونے والی خرابیوں کو دور رکھا جاتا ہے اور شریعت اسلامی
کے مقرر کردہ اصولوں کے پیشِ نظر اور وقت اور حالات زمانہ کی رعایت کے تحت
ان میں ایسی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، جو عدل و انصاف سے ہم آہنگ ہوں اور
ان پہلوؤں میں اعلیٰ سماجی قدروں کو اجاگر کرنے والی ہوں۔
اسی وجہ سے محتسب کو بعض تادیبی اختیارات دیئے گئے ہیں اور ان کو استعمال
کرنے کے بعض درجات اور بعض آداب مقرر کیئے گئے ہیں۔ امام غزالی نے ان درجات
و آداب پر روشنی ڈالی ہے۔

پہلا درجہ تعرف۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محتسب کو یہ علم ہو کہ فلاں مقام پر منکر وقوع پذیر ہو
رہا ہے، ہر چند کہ محتسب کو تجسس کی اجازت نہیں لیکن اگر اس کو باخبر عادل افراد
کی گواہی سے کسی "منکر" کے وقوع پذیر ہونے کا علم ہو مثلاً اسے یہ اطلاع دی جائے
کہ فلاں گھر میں مے نوشی کی تیاری ہو رہی ہے یا شراب تیار کی جا رہی ہے تو وہ بلا اجازت
اس گھر میں داخل ہو سکتا ہے۔

دوسرا درجہ تعریف

بعض اوقات کوئی شخص لاعلمی کی بنا پر بھی کسی منکر کا مرتکب ہو جاتا ہے اس
طرح کی صورت میں محتسب کا کام یہ ہے کہ وہ اسے بتائے کہ یہ کام شریعت کی نظر
میں پسندیدہ نہیں ہے اور اس کو بہت نرمی اور دلجوئی کے ساتھ سمجھائے اور بتائے۔
غرض محتسب کو چاہیے کہ لوگوں کو شرعی ممنوعات سے اور ان امور سے جن کو شریعت
نے بُرائی قرار دیا ہے آگاہ کرتا رہے۔

تیسرا درجہ وعظ و نصیحت

جو افراد جانتے ہوئے بھی منکر کے مرتکب ہوں۔ مثلاً مسلمانوں کی غیبت
میں مبتلا ہوں اور ظلم و ستم کو شعار بنائے ہوئے ہوں۔ محتسب ان کو وعظ و نصیحت
کرے اور اللہ کا خوف دلائے اور وعیدیں سنائے۔ اور اس قدر دل سوزی
سے سمجھائے کہ ایسے لوگ منکر سے باز آجائیں۔

چوتھا درجہ بُرا بھلا کہنا اور سختی سے منع کرنا۔

یہ طریقہ محتسب اس وقت اختیار کرے جب کہ برائیوں (منکرات) میں
مبتلا افراد نرمی اور قول حسن سے نصیحت قبول نہ کریں اور اپنے عمل سے باز نہ آئیں

پانچواں درجہ عملاً برائی (منکر) کا مٹانا

اگر کسی شخص نے کسی کے گھر پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو تو محتسب اس کو
زبردستی نکال سکتا ہے۔ شراب کو بہا سکتا ہے۔ آلات لہو و لعب توڑ سکتا ہے اور
اگر کوئی شخص ناپاک حالت میں مسجد میں آجائے تو اسے نکال سکتا ہے۔

چھٹا درجہ تہدید و تخویف

محتسب منکر کا ارتکاب کرنے والے کو ڈرائے اور دھمکائے کہ تجھے یہ سزا
دی جائے گی۔

ساتواں درجہ ضرب

حسب ضرورت اور مصلحت برائی کے مرتکب کو جسمانی سزا دے اور ضرب لگائے۔

آٹھواں درجہ

ایسے حامی شخص کو منکر کے ارتکاب سے روکنے کے لیے جو قوت کے اظہار

اچھے اعمال پر عمل پیرا نہ ہو جائیں اور اس وقت تک نہی عن المنکر نہ کریں جب تک جملہ منکرات سے خود احتراز نہ کریں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس معروف کا بھی حکم دو جس پر تمہارا عمل نہ ہو اور اس منکر سے بھی منع کرو جس سے تم محترز نہ ہو۔[۱]

اس فرمانِ نبوت کی حکمت یہ ہے کہ ایک صاحبِ ایمان شخص اگر کسی کو ایسے عمل کی تلقین کرتا ہے کہ جس پر اس کا عمل نہیں ہوتا تو یہ تلقین خود اس کے نفس میں اس عمل کی آمادگی کا محرک بن جاتی ہے اور وہ بالآخر اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے اور اگر وہ ایسی برائی سے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کرتا ہو جس کا وہ خود مرتکب ہو تو بالآخر وہ خود بھی اس سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔

احتساب عہد بہ عہد

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ "احتساب" اپنی اصل روح اور اپنے اساسی فرائض کے ساتھ خلافتِ راشدہ ہی میں وجود میں آ چکا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں بھی بہت سے مؤثر اقدامات کر چکے تھے۔ مگر "حسبہ" کے نام سے باقاعدہ ادارہ عباسی دورِ حکومت میں وجود میں آیا۔ چنانچہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد (۱۵۸۔۱۵۹ھ) میں استعمال ہونا شروع ہوا مگر طبری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادارہ اس نام کے ساتھ خلیفہ منصور کے عہد میں وجود میں آ چکا تھا۔

الطبری ۱۴۶ھ کے واقعات میں بیان کرتے ہیں کہ منصور نے ابو ذکریا

---

[۱] احیاء علوم الدین ۳/۳۳۳، ۳۳۴۔

یحیٰی بن عبداللہ کو بغداد کا والی حسبہ مقرر کیا تھا۔[۱]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احتساب کے عہد بہ عہد حالات بھی اس مقام پر مختصراً درج کر دیے جائیں۔

مصر، عہد فاطمین

فاطمین کے عہد میں احتساب کا نظام بہت ترقی کر گیا تھا محتسب کے کارندے بازاروں میں گھومتے۔ اور گوشت پکے ہوئے کھانوں اور حتیٰ کہ کھانے کے برتنوں کی بھی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ سواریوں اور کشتیوں وغیرہ پر حدِ مقررہ سے زائد سامان نہیں لادنے دیتے تھے سقوں کو پابند رکھتے تھے۔ کہ ان کی مشکیں اور پانی کی برتن ڈھکے ہوئے ہوں محتسب جامع عمرو اور الازہر میں اپنی عدالت بھی منعقد کرتا تھا اور اس کا دائرہ اختیار اس قدر وسیع ہو گیا تھا۔ کہ پولیس (شرطہ) اس کے احکام نافذ کرنے کے پابند تھے۔ اس زمانے میں محتسب کو تیس دینار ماہوار ملتے تھے۔[۲]

بغداد کا نظام احتساب: ۳۰۰ھ کے قریب محتسب بغداد کا ایک باقاعدہ منصب تھا۔ بیشتر اوقات بہت اہم ذمہ داریاں اس کے سپرد ہوتی تھیں، وہ کارکنانِ حکومت اور میں درجہ اول کے کارکنوں میں متصور ہوتا تھا۔ مثلاً دار الضرب (ٹکسال) کی نگرانی بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ ۳۶۶ھ کے قریب والیوں کے نام ایک منشور (فرمان) جاری ہوا کہ دار الضرب پر خاص نظر رکھی جائے تاکہ سونے چاندی کا کوئی سکہ کم وزن

---

[۱] الطبری، تاریخ الامم و الملوک ۹/۲۶۲ بیروت

[۲] تاریخ اسلام ۳/۲۱۷۔

یا ناخالص نہ بننے پائے۔ دور الطرز کی بھی نگرانی کی جائے تاکہ کپڑوں کی بنائی صحیح عمدہ اور پائیدار ہو اور سکوں پر اور کپڑوں اور فرش وغیرہ پر امیر المومنین کا نام نقش کیا جائے۔[1]

اُندلس میں نظامِ احتساب:۔ اندلس میں ہر شہر میں ایک محتسب یا "صاحب السوق" مقرر ہوتا تھا۔ جو بازاروں اور خرید و فروخت کے مراکز کی نگرانی کرتا۔ اس منصب پر ایسے شخص کو مقرر کیا جاتا تھا جو صاحب علم، فہیم و ذکی اور فطین ہو۔ بالعموم یہ منصب کسی قاضی کے سپرد کیا جاتا تھا، کیوں کہ محتسب کے کام کو بھی قضا ہی کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا۔ المقری نے اندلس کے محتسب کے دائرہ اختیار کی تحدید کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام بہت وسعت اختیار کر گیا تھا۔ جملہ اشیاء ضرورت کی قیمتیں مقرر تھیں اور تاجروں پر نظر رکھی جاتی تھی "محتسبین" کے لیے باقاعدہ "مجموعہ قوانین" تھا جو فقہی کتابوں کی طرح ان کے درمیان متداول تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے کیوں کہ ان کو ہر قسم کے معاملات خرید و فروخت میں دخل تھا۔[2]

اندلس میں نظام احتساب بہت ترقی کر گیا تھا۔ اور ابن عبدون نے اسے حکومت کا سب سے اہم شعبہ قرار دیا۔[3] مغرب اور اندلس میں یہ نظام ایک طویل عرصہ تک جاری رہا۔ اور اس قدر اہمیت اختیار کر گیا کہ جب ہسپانیہ کے عسائیوں نے ان علاقوں کو مسلمانوں سے چھینا تو ہر علاقے میں احتساب کا نظام

---

[1] آدم متز الحضارۃ الاسلامیۃ، ج ۲/۲۸۰۔ بیروت

[2] تاریخ الاسلام ۱/۴۶۰

برقرار رکھا اور انہوں نے اس کو (ALMOTACEN) کا نام دیا اور مغرب میں تو یہ نظام آج تک جاری ہے۔[1]

ایک وقت ایسا آیا کہ اندلس میں احتساب کے ادارہ کو "خطۃ الاحتساب" کا نام دیا گیا۔ اس منصب پر قاضی کو متعین کیا جاتا تھا جو اکثر اپنی جماعت کے ساتھ بازاروں میں جاتا اور اس کے لوگ بازار میں فروخت ہونے والی روٹیوں کو وزن کر کے دیکھتے۔ گوشت کی دوکان پر نرخ لکھ کر لگانا ہوتا تھا اور کسی قصاب کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔[2]

غرض زمانہ حال کی اصلاحات کے رائج ہونے سے قبل تمام مسلم ممالک میں محتسب ہوتے تھے، مثال کے طور پر بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک مراکش اور بخارا میں محتسب موجود تھے۔ سلجوقی عہد میں ایران اور ترکیہ میں اس منصب کو احتساب کے نام سے پکارتے تھے اور حسبہ کا لفظ اس صلاحیت کے لیے مخصوص تھا جس کا اہل محتسب کو ہونا چاہیئے مشرق کے لاطینی ممالک، جو صلیبی جنگوں کے نتیجے میں ابھرے تھے انہوں نے اس ادارے کو MATHSSEP) کی عام اور محدود شکل میں اپنا لیا تھا۔

سلطنت عثمانیہ:۔ سلطنت عثمانیہ کے مختلف ادوار میں احتساب کا ادارہ موجود تھا اور محتسب کے فرائض کے قواعد و ضوابط احتساب قانون نامہ

---

[1] تاریخ الاسلام ۲: ۱۴۳

[2] جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی ۱/۲۴۲۔ بیروت۔

دری میں مندرج تھے۔ جس میں محتسب کے جملہ فرائض جیسے بازار کی نگرانی، جانچ پڑتال تقریر اور خاص طور پر صوبوں میں محصول لگانے کی ہدایات موجود تھیں۔ ان ضوابط میں ایک طرف تو قیمتوں کی ایک فہرست درج تھی۔ اور اجناس، مصنوعات یا دوسری اشیاء کی فروخت اور مقررہ حد منافع کے سلسلے میں اس فہرست کی پابندی کرنا ہوتی تھی، اور دوسری طرف بد دیانت تاجروں اور کاریگروں کو سزا کے طور پر جرمانے کی تفصیلات درج تھیں۔ ان کے علاوہ اس دستور العمل میں محصولات کا تناسب یا ان کی کل مقدار سرکاری واجبات اور دوسری ادائیاں مندرج ہوتی تھیں جن کی تحصیل احتساب کی طرف سے کی جاتی تھی اور جو پیشہ ور انجمنوں کے ارکان سے واجب الوصول ہوتی تھیں۔ محتسب کے اصل فرائض کے کچھ آثار ان ضوابط کی بعض دفعات میں پائے جاتے ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ عوام کے اخلاق و کردار کی نگرانی کرے اور مقدس مقامات میں فرق نہ آنے دے مخرب اخلاق کوئی بات نہ ہونے دے اور اس بات پر کڑی نظر رکھے کہ آیا مسلمان اپنے مذہبی فرائض کا احترام کرتے ہیں یا نہیں استانبول میں محتسب ہی تھوک فروشوں تاجروں اور کاریگروں کے درمیان تجارتی سامان کی تقسیم کی نگرانی کرتا تھا ٹیکسوں کی وصولی میں محتسب کے کارندے، جنہیں قول اوغلاندری (KOL OGII L.ANDRI) اور ملازم کہا جاتا تھا اس کے مدد و معاون ہوتے تھے۔ دسویں صدی ہجری میں اور اس کے بعد استانبول میں محتسبوں کی تعداد پندرہ تھی۔ جو بعد میں بڑھ کر چھپن ہو گئی تھی۔ ان کے علاوہ سولہ ملازم اور تھے جن کے پاس سرکار کی طرف سے تقرر کے پروانے ہوتے تھے۔ محتسب سال بسال مقرر ہوتے تھے۔ یہ منصب حاصل کرنے والا

مقررہ نقد رقم (بدل مقاطعہ) کی ادائگی کرکے قاضی (جس کے سامنے محتسب براہ راست جواب دہ ہوتا تھا) وزیر اعظم یا صوبائی گورنر کی منظوری کے بعد تقرر کا پروانہ (برات) حاصل کرتا تھا۔

احتساب کے اولین قوانین وضوابط سلطان بایزید (۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء تا ۹۱۸ھ/۱۵۱۲ء) کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعد میں سلطان سلیم اول، سلیمان اول سلیم دوم، مراد سوم، مراد چہارم، محمد چہارم وغیرہ نے بھی قوانین وضع کئے، احتساب سے متعلق صوبوں کے لیئے قوانین، صوبوں کے انتظام سے متعلق عام قوانین (قانون نامہ) میں شامل کردیئے گئے تھے۔ قدیم ترین قوانین نامہ سلطان بایزید دوم کے عہد حکومت کا ہے۔ یہ ناممکن نہیں کہ اس قسم کے قواعد ضوابط اس سے قبل بھی نافذ ہوں۔ بعض صوبوں میں جن کا عثمانی سلطنت سے الحاق دسویں صدی ہجری/ سولھویں صدی عیسوی میں ہوا تھا۔ سلاطین نے قدیم قوانین وضوابط ہی جاری رکھے۔ جیسا کہ مثال کے طور پر دمشق میں ہوا تھا۔[1]

ایران: خلافت عباسیہ کے انقراض کے بعد ایران میں جو مختلف حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں ان میں محتسب اور اس کا عہدہ (حسبہ یا احتساب) اور دینی اداروں کے کئی دوسرے عہدے انیسویں صدی عیسوی تک بھی برقرار رہے تھی، عوام کی سہولتیں اور آسائشوں کی دیکھ بھال کرنا بھی اس کا فرض منصبی ہوتا

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ وانسائیکلوپیڈیا آف اسلام

تھا۔ اس کا فرض تھا کہ غلاموں سے بدسلوکی نہ ہونے پائے اور بار برداری کے جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ ذمیوں کے مفادات کا تحفظ اور ان سے قواعد وضوابط کی پابندی کرانا بھی اس کے ذمے تھا۔ بایں ہمہ اس کا اہم فریضہ یہ تھا کہ وہ منڈیوں کی نگرانی کرے، سوداگروں اور کاریگروں کو بددیانتی نہ کرنے دے اور پیشہ ورانہ "برادریوں" اور انجمنوں پر کڑی نظر رکھے وہ مجرموں کو سرسری سزا دے سکتا تھا۔

نظام الملک لکھتا ہے کہ اوزان اور قیمتوں کی جانچ پڑتال، تجارتی لین دین کی نگرانی، اشیاء میں ملاوٹ اور دھوکے کا انسداد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترویج کے لیے ہر شہر میں محتسب کا تقرر ہونا چاہیے۔

ایلخانیوں کے قبول اسلام کے بعد مذہبی ادارے کے دیگر عہدوں کے ساتھ محتسب کا عہدہ بھی برقرار رہا۔ جب غازان خاں نے ساری مملکت میں باٹوں اور پیمانوں میں یکسانی پیدا کرنا چاہی تو اس نے حکم دیا کہ یہ کام ہر صوبے میں محتسب کی موجودگی میں عمل میں لایا جائے۔

صفویوں کے عہد حکومت میں اکثر بڑے شہروں میں ایک ایک محتسب ہوتا تھا۔ وہ اس منصب کے روایتی فرائض سرانجام دیا کرتا تھا۔

مملکت کا محتسب اعلیٰ محتسب الممالک کہلاتا تھا شاہ طہماسپ کے زمانے میں یہ عہدہ میر سید علی استرآبادی کو تفویض تھا۔ جو دیکار شاہی کا خطاب بھی تھا۔ بعد میں یہ منصب سید میر جعفر طباطبائی کو ملا۔ شاہ عباس کے عہد میں جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ میرزا ابدالحسین مقرر ہوا۔

صفوی عہد کے بعد محتسب کا عہدہ روبتنزل ہو گیا اور اس کی نوعیت روز بروز غیر مذہبی ہوتی گئی قانون شریعت کے نفاذ سے متعلق محتسب کو جو فرائض ادا کرنے پڑتے تھے وہ اس کی تولیت سے نکال کر "مراجع التقلید" کے سپرد کر دیے گئے۔[1]

برصغیر پاک وہند: مسلمانوں نے ابتدا ہی میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان انہوں نے فتح کیا ہے اور مسلمانوں کی مخصوص حیثیت کا تقاضا ہے کہ وہ احکام شریعت کی پیروی اور درستی اخلاق میں سستی نہ دکھائیں ورنہ ملک کی سالمیت، یک جہتی، حتیٰ کہ نئی سلطنت کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ جہاں بھی مسلم آبادی قائم ہوتی یا چھاؤنی کی بنا ڈالی جاتی۔ وہاں ایک محتسب اور ایک قاضی بھی رکھا جاتا۔ سلطان بلبن ایک اچھی حکومت کے لیے محکمہ احتساب کو ضروری خیال کرتا تھا۔ اس نے اپنے پیش رووں کے برعکس کسی چھوٹے سے چھوٹے شہر اور غیر اہم مقام کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔[2]

برصغیر پاک وہند میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے بعد احتساب کے نظام میں کمزوری آگئی اور یہ نظام باقاعدہ موجود نہیں رہا البتہ جب مولانا سید احمد بریلوی نے سرحد کے بعض علاقوں میں اسلامی حکومت کا احیا کیا تو انہوں نے مختلف مقامات پر محتسب بھی مقرر کیے تھے۔[3]

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ

[3] ادب القاضی ص ۲۶۴